Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے
سالانہ...........300 روپے

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

قانونی مشیر
الحاج غلام علی فاروق
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....سیلاب اوراس کاسدِّ باب..........مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۱۷)....... اللہ تعالیٰ اولاد سے بے نیاز ہے.................// // ۹

درسِ حدیث ....نماز میں خشوع وخضوع کی فضیلت واہمیت (قسط۸).....// // ۱۲

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی شرائط.............................مفتی محمد رضوان ۱۸

اِس دور کے چارہ گرکہاں ہیں؟ (قسط۹).............................مفتی محمد امجد حسین ۲۵

فجراورشفق کے درجہ کی تحقیق (قسط۹).............................مفتی محمد رضوان ۲۹

ذخیرہ اندوزی.............................مفتی منظور احمد ۳۵

ماہِ شعبان: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات.........مولانا طارق محمود ۴۱

جانوروں کے حقوق وآداب (قسط۸).............................مفتی محمد رضوان ۴۴

علم کے مینار...........سرگذشت عہدِ گُل (قسط۳۵).............مفتی محمد امجد حسین ۴۹

تذکرۂ اولیاء:.......... تذکرہ مولانا رومی کا (قسط۱)...................// // ۵۱

پیارے بچو! .... دوکام چور دوست.............مفتی محمد رضوان ۵۷

بزمِ خواتین .... رمضان کی عبادات.............مفتی ابوشعیب ۵۹

آپ کے دینی مسائل کا حل.. امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ملنے کا ثبوت ۶۴

کیاآپ جانتے ھیں؟.. عورتوں کے لیے پردہ کاحکم (بسلسلہ:سوالات وجوابات)..ترتیب:مولانا محمد ناصر ۸۴

عبرت کدہ .... حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۲)..................ابوجویریہ ۸۹

طب وصحت.......... موسمِ برسات میں حفاظتی تدابیر...........حکیم محمد فیضان ۹۱

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز...........مولانا محمد امجد حسین ۹۲

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں...........حافظ غلام بلال ۹۳

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مفتی محمد رضوان

سیلاب اور اس کا سدِّ باب

کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

اس وقت ملک کو طویل وشدید ترین تاریخی سیلاب کا سامنا ہے۔

حالیہ سیلاب سے ہونے والی تباہی کے بارے میں وزیراعظم گیلانی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ سیلاب نے زلزلے سے بڑھ کر تباہی مچائی، اور ملک کئی برس پیچھے چلا گیا (روزنامہ اسلام، پیر ۲۷/ شعبان ۱۴۳۱ھ۔9/ اگست 2010ء)

اسی کے ساتھ وزیراعظم صاحب نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ کالاباغ ڈیم ہوتا تو سیلاب سے ہونے والے جانی ومالی نقصان سے بچا جاسکتا تھا۔

وزیراعظم صاحب نے مزید کہا کہ کالاباغ ڈیم پر اتفاقِ رائے ہوجائے تو حکومت اس ڈیم کو تعمیر کرنے کا کام شروع کردے گی، انہوں نے مزید کہا کہ سیلاب ابھی ختم نہیں ہوا، شروع ہوا ہے (روزنامہ اسلام، منگل ۲۸/ شعبان ۱۴۳۱ھ۔10 / اگست 2010ء)

یہ اور اس جیسی خبریں روزمرہ اخبارات کا حصہ بن کر شائع ہورہی ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں اوّلاً تو اس قسم کی باتیں پانی سر سے گزرنے کے بعد کی جاتی ہیں، دوسرے یہ باتیں بھی صرف باتوں کی حد تک ہوتی ہیں، اور ان کی مثال مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں ہوتی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان باتوں کی حیثیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق انڈیا اب تک ملک بھر میں تین سو کے قریب ڈیم تعمیر کرچکا ہے، اور پچاس سے زائد ڈیم صرف مقبوضہ کشمیر میں تعمیر کرلیے ہیں، بلکہ بعض ذرائع کے مطابق ہمارے ملک میں غیر معمولی سیلاب کی وجہ انڈیا کی طرف سے اپنے ڈیموں سے چھوڑا ہوا پانی ہے۔

مگر ہمارے یہاں صرف ایک کالاباغ ڈیم تعمیر نہیں کیا جاسکا، اور متعدد جمہوری وغیر جمہوری (یعنی فوجی) قیادتیں اس سلسلہ میں ناکامی کا سامنا کرتی رہی ہیں۔

اور موجودہ حکومت نے تو کالاباغ ڈیم کے مسئلہ کا بستر ہی گول کردیا تھا، اور اس کو اپنے تئیں ہمیشہ کے لیے

Idara Ghufran

دفن کر دیا تھا، اب وزیر اعظم صاحب کے رونا رونے سے کیا ہوتا ہے؟

وطنِ عزیز کا حالیہ سیلاب کسی قہرِ خداوندی سے کم معلوم نہیں ہوتا۔

کروڑوں افراد کا بے گھر ہونا، ہزاروں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصل اور باغات کا تباہ ہونا، لاکھوں گھروں کا ملیا میٹ ہو جانا، سینکڑوں آبادیوں کا صفحۂ ہستی سے نام ونشان مٹ جانا، ہزاروں لوگوں کا لقمۂ اجل یا معذور واپاہج بن جانا، ملک کے بے شمار پلوں اور سڑکوں کا تباہ وبرباد ہو جانا، یہاں تک کہ مختلف علاقوں کا ملک کے دیگر حصوں سے رابطہ منقطع ہو جانا، یہ اور اس جیسے سینکڑوں واقعات وحادثات موجودہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا تاریخی حصہ بن چکے ہیں۔

وطنِ عزیز کو ایک مدت سے اس قسم کے ناگہانی حادثات وواقعات کا سامنا ہے، چنانچہ وطنِ عزیز کو پہلے تو طویل خشک سالی کا سامنا تھا، بارش کے قطرہ قطرہ کو لوگ ترس رہے تھے، بلوچستان کا طویل ترین علاقہ بنجر، صحراء میں تبدیل ہو گیا، جانوروں کے لیے چارہ تک میں بحران پیدا ہوا۔

ڈیموں میں پانی کی عدم دستیابی یا قلت یابی کے باعث بجلی کے شدید بحران کا سامنا تھا، جس کے نتیجہ میں توانائی کے شعبہ میں ملک کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

پیداوار کی قلت، مصنوعات کا بحران اور کمر توڑ مہنگائی جیسے کئی مسائل نے جنم لیا، اور ان کے اثرات ابھی تک ملک میں موجود ہیں۔

پھر اس کے بعد آنے والے خطرناک ترین زلزلہ سے پورا ملک ہل کر رہ گیا، لاکھوں افراد بے گھر ہوئے، شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں اُجڑ گئیں، بے شمار بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزاروں افراد معذور واپاہج ہو گئے، اور ملک معاشی اعتبار سے کئی سال پیچھے چلا گیا۔

ابھی اس کے اثرات مندمل نہیں ہوئے تھے کہ ملک کے مختلف حصوں میں فوجی آپریشن کا سلسلہ زور وشور سے شروع ہو گیا، اور امریکی فضائی حملوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

جس کے نتیجہ میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے، بے شمار گھر اور آبادیاں تباہ ہوئیں، ہزاروں افراد معذور ہوئے۔

اسی کے ساتھ ملک میں خودکش حملوں اور دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس سے بے تحاشا جانی ومالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا؛ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

اسی دوران خبر آئی کہ عطاء آباد (سکردو) جھیل میں غیر معمولی پانی جمع ہونے سے متعدد بستیاں زیرِ آب آ گئیں، اور ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے۔ پھر اس پانی کے اخراج کا مسئلہ کھڑا ہوا، اور اس کے نتیجہ میں بھی بعض علاقوں میں سیلاب کی شکل پیدا ہونے سے تباہی پیدا ہوئی۔

اسی دوران اچانک خبر آئی کہ کراچی اور ٹھٹھہ کے ساحل کی طرف سمندری طوفان تیزی سے بڑھ رہا ہے، پورے ملک اور بطور خاص ساحلی علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

اللہ کے فضل و کرم سے متوقع خطرات سے تو حفاظت رہی، لیکن نہ نہ ہوتے ہوئے بھی کسی نہ کسی درجہ میں مواصلاتی نظام کی تباہی سے معاشی نقصان اُٹھانا پڑا؛ اور بھی کئی قسم کے نقصانات ہوئے۔

چند دن اس واقعہ کو گزرے تھے کہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں قتل و قتال کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے، جو کہ کسی طرح قابو میں آنے کا نام نہیں لے رہا۔

ان سب بحرانوں سے وطنِ عزیز کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی، اور امید کی جا رہی تھی کہ شبِ براءت اور اس کے بعد رمضان المبارک کی برکات اور مغفرتِ عام کے اوقات سے شاید ملک کی کایا پلٹ جائے، لیکن ٹھیک پندرہ شعبان کی صبح کو دارالحکومت اسلام آباد میں پہاڑی سے ٹکرا کر طیارہ کی تباہی کا المناک حادثہ پیش آ گیا، جس میں سوار ڈیڑھ صد کے قریب تمام افراد ہلاک ہو گئے۔

پوری قوم اس عظیم سانحہ کے غم میں مبتلا تھی کہ اسی کے ساتھ ملک میں طویل اور شدید بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور انتہائی بلند سطح کے سیلاب نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ کی بابرکت ساعتوں کا آغاز سیلاب کی تباہ کاریوں کے ساتھ ہوا ہے، اور خبریں آ رہی ہیں کہ ابھی سیلاب کی ابتداء ہے، آنے والے وقت میں اس میں اضافے کا خطرہ ہے، اور تیز ترین بارشوں اور ان سے پیدا ہونے والے سیلاب کا یہ سلسلہ اگست کے پورے ماہ اور اوائلِ ستمبر تک جاری رہے گا۔

اس تفصیل کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پے درپے سانحے و حادثے جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں، ان سے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارا ملک اس وقت مختلف سانحات و حادثات کی زد میں ہے، اور ملاءِ اعلیٰ کے فیصلے ہمارے متعلق تنبیہ و زجر اور سزا و پکڑ کے سامنے آ رہے ہیں۔ ؎

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے   تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ان آفات وبلیات اور حادثات کے ظاہری ومادی اسباب کچھ بھی ہوں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کا اصل اور بنیادی سبب مجموعی واجتماعی سطح پر احکامِ شرع سے روگردانی، قوانینِ قدرت سے بغاوت اور گناہوں کا سیلاب ہے، جس نے اب پانی کے سیلاب کی شکل اختیار کرلی ہے۔

یہ دراصل اللہ رب العزت کی طرف سے تازیانہ ہے تاکہ ہم سنبھلیں اور ہوش کے ناخن لے کر اپنی عملی حالت کو درست کریں، گناہوں کے سیلاب کو روکیں۔

مال ومنصب کی محبت اور ان کی خاطر ہونے والی قتل وغارت گری، لوٹ مار، حرام خوری اور کام چوری جیسے تمام گناہوں کو چھوڑیں۔

مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی حکمرانوں سے لے کر اکثر عوام تک سب پر شدید بے حسی کا عالم طاری نظر آتا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ بے حسی ختم ہو، اور قوم کو توبۃ النصوح کی توفیق حاصل ہو۔ آمین۔

ملک میں ڈیم نہ بننے کا اصل سبب بھی حبِ جاہ وحبِ مال اور حرام خوری وکام چوری کی شکل میں بداعمالی وشامتِ اعمال ہے۔

افسوس ہے کہ کافروں نے تو پانی کے محفوظ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم تیار کرلیے ہیں، اور کرتے جارہے ہیں، مگر مسلمان کہ جن کے مذہب میں پانی کی نعمت اور اس کی حفاظت اور عدمِ اضاعت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، ان کے یہاں پانی کے ذخائر محفوظ کرنے کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔

اگر ملک میں مناسب مقامات پر پانی کے ذخائر محفوظ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے ڈیم تعمیر کرلیے جائیں تو ایک طرف تو بجلی اور توانائی کے شعبے میں اضافہ ہو، دوسری طرف فصل اور باغات کے لیے پانی کی نہریں جاری ہوں، اور تیسری طرف آنے والے سیلابوں کی تباہی سے بھی حفاظت ہو۔

مگر کبھی کسی حکومت کو اپنے منصب کو برقرار رکھنے کے لیے چند لوگوں کی ناراضگی گوارہ نہیں ہوتی، اور کبھی اس کے لیے فنڈ مہیا نہیں ہوتے، اور کبھی لوگوں کے جزوی فوائد ومنافع اس طویل ووسیع الجہت ملکی مفاد کے آڑے آجاتے ہیں۔ حالانکہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے، یہ عقلمندوں کی پرانی کہاوت ہے، مگر ہمارے یہاں ترجیحات کی تعیین کا خانہ ہی بند ہے۔ اسی کے ساتھ ہماری بگڑی ہوئی معاشرت کا ایک پہلو بھی اس طرح کے سیلابوں کا بڑا سبب ہے۔

چنانچہ ہمارے معاشرہ میں صفائی ستھرائی کا نظم بہت خراب ہے، گھروں کے باہر سے گزرنے والی چھوٹی

چھوٹی نالیوں سے لے کر شہر کے اندر سے گزرنے والے نالوں اور اس سے بڑھ کر ندیوں اور دریاؤں تک میں صفائی کا فقدان پایا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ نالیاں اور کنویں، نالے تو گندگی کی گزرگاہیں ہیں، پھر ان کی صفائی ستھرائی کیسے ممکن ہے؟

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ خواہ نالی ہو، یا نالا، وہ پانی اور گندے پانی کی گزرگاہ تو ہوسکتا ہے، لیکن گندگی کی آماجگاہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان میں ایسی گندگی کو ڈالنا جو گندے پانی کے گزرنے میں رکاوٹ کا باعث ہو، درست نہیں۔

اور ہمارے یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ اس قسم کی گندگی، کچرا وغیرہ نالیوں، نالوں اور دریاؤں کی نظر کردیا جاتا ہے کہ جو پانی کے گزرنے میں رُکاوٹ کا باعث بنتا ہے، جس کے نتیجہ میں بارش کے وقت پانی کو گزرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے پانی دائیں بائیں غیر متعلقہ مقامات میں جمع اور داخل ہوکر چھوٹے بڑے سیلاب کا باعث بنتا ہے۔

چنانچہ شہروں میں گھر گھر اور گلی گلی سے جمع ہونے والے گندگی کے ڈھیر کے ڈھیر اسی قسم کے نالوں میں ڈال دیے جاتے ہیں، ورنہ معمولی اور غیر معمولی بارشوں کا سلسلہ روئے زمین کے تقریباً تمام حصوں میں ہی جاری رہتا ہے، اور غیر معمولی بارش کے نتیجہ میں سیلاب کے نقصان سے بھی دنیا میں آباد وغیر آباد حصے متأثر ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے ملک میں غیر معمولی بارش کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کے اثرات کچھ زیادہ ہی نظر آتے ہیں، بعض شہروں (مثلاً کراچی، حیدرآباد، اور لاہور وغیرہ) میں بارش کے معمول سے کچھ زیادہ ہوجانے کی صورت میں پانی سڑکوں اور آبادیوں میں جمع ہوجاتا ہے، اور کئی کئی دن کھڑا رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں کاروبارِ زندگی کا متأثر ہونا اور معاشی نقصان کا ہونا بھی ظاہر ہے۔

ہر سال راولپنڈی شہر میں بھی عموماً نالہ لئی سے متصل اور ملحقہ علاقوں میں گھروں میں بارش کا پانی داخل ہوکر نقصان کا باعث بنتا ہے۔

اور اس طرح ہر سال ملک بھر میں مختلف واقعات رونما ہونے سے غیر معمولی جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض اوقات بڑے سیلابی ریلے کے نتیجہ میں پورے ملک کو غیر معمولی نقصان سے دوچار ہونا پڑجاتا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام'' کی کہاوت کا مصداق بن کر کوڑے کرکٹ اور کچرے کو دوسرے مفید اور نفع بخش کاموں میں لگایا جاتا ہے، مثلاً اس سے توانائی حاصل کی جاتی ہے، نشیبی جگہ کو پُر کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہمارے یہاں اس سے یہ فوائد حاصل کرنا تو در کنار، بدقسمتی سے اس کو اُلٹا نقصان اور تباہی کا باعث بنا لیا جاتا ہے۔

بدقسمتی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں حکمرانوں سے لے کر عوام تک میں قوم کو اصلاحِ معاشرت کی تعلیم و تبلیغ کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں، اور حد یہ ہے کہ بہت سے اہلِ علم بھی اس سلسلہ میں کوتاہی کا شکار ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اس میڈیائی دور میں قوم کو اس قسم کے معاشرتی بنیادی پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا جائے۔ افسوس کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں اس سلسلہ میں کہیں کی کہیں پہنچ چکی ہیں، اور ہمارے یہاں ابھی تک معاشرت کا بغدادی و نورانی قاعدہ بھی نہیں پڑھا اور پڑھایا گیا، جس پر دوسروں طبقوں کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ مقتداء حضرات بھی مجرم ہیں۔

اب سیلاب کے نتیجے میں بے شمار قیمتی جانوں کی حفاظت کا مسئلہ سر پر کھڑا ہے، اور اس موقع پر ظالموں اور بے رحموں کا ایک طبقہ متأثرینِ زلزلہ کی طرح متأثرین کی امداد کے نام پر زکاۃ وصدقات وغیرہ بٹورنے میں مشغول ہے، اور عوام کا ایک بڑا طبقہ بھی بلاتحقیق اپنا مال ان کے حوالے کرکے بڑی نیکی خیال کر رہا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم کو توبۃ النصوح کے ساتھ اپنی کامل اصلاح کرکے ان ناگہانی آفات وبلیات اور مصائب ومسائل سے نجات اور ان کا سدِّ باب کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اسلامی ہدایات سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال، آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۱۷ آیت ۱۱۶) مفتی محمد رضوان

اللہ تعالیٰ اولاد سے بے نیاز ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ. بَلۡ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ (۱۱۶)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، سب کے سب اُس کے فرمانبردار ہیں (۱۱۶)

تفسیر وتشریح

بعض یہودی حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور مکہ کے مشرک فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، جیسا کہ مختلف آیات میں یہ مضامین بیان ہوئے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ. بَلۡ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ.

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کی ان باتوں کی تردید اور بُرائی بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ کیسی مہمل، فضول اور احمقانہ بات کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا کئی وجہ سے عقلاً بھی ناممکن ہے، مثلاً ایک یہ کہ اولاد کی ضرورت اُسے ہوسکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کے مالک ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو اولاد کی بھی ضرورت نہیں۔

دوسرا یہ کہ باپ اولاد کا محتاج ہونے سے پہلے بیوی کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ اولاد بغیر بیوی کے ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ صمد یعنی بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں۔

تیسرا یہ کہ بیٹا باپ کے مشابہ اور باپ کا ہم جنس ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں؛ اور بیٹا باپ کے ہم

جنس نہ ہوتو پھر وہ بیٹا اس باپ کا فرزند نہ ہوگا۔

نیز بیٹے کا باپ کے ہم جنس نہ ہونا ایک عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔

چوتھا یہ کہ ولادت کے لیے تغیر اور تبدّل وغیرہ لازمی چیزیں ہیں، اور تغیر وتبدّل فنا اور ختم ہونے والی چیزوں میں ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حیّ وقیوم اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

پانچویں یہ کہ بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کے لیے فرزند ہو، تو یا تو وہ فرزند بھی خدا ہوگا، یا نہیں؛ اگر وہ فرزند خدا ہوا تو لازماً وہ فرزند باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا، کیونکہ خدائی کے لیے بے نیازی لازمی ہے، حالانکہ بیٹے کا باپ سے بے نیاز ہونا ناممکن ہے، اس لیے کہ بیٹے کا تو وجود ہی باپ سے ہوا ہے، پھر جب بیٹا خدا ہونے کی وجہ سے باپ سے بے نیاز ہوگا، تو پھر اس کو باپ سے کوئی تعلق نہ ہوگا، اور بیٹے کا باپ سے بے تعلق ہونا ناممکن ہے، علاوہ ازیں جب بیٹا باپ سے بے نیاز ہوگا، تو باپ خدا نہ رہے گا، اس لیے کہ خدا سے کوئی بے نیاز نہیں ہوسکتا، وہ خدا ہی کیا ہوا جس سے کوئی مستغنی اور بے نیاز ہو سکے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ بیٹا خدا نہیں، تو پھر لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ وہ خدا کا مملوک اور عبد ہے، حالانکہ بیٹے کا عبد اور مملوک ہونا ناممکن ہے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ توالد اور تناسل سے پاک ہے، اس لیے کہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں، اولاد نہیں، کیونکہ اولاد مملوک نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے، تو وہ فوراً آزاد ہوجاتا ہے۔ تو جب بندوں میں کوئی کسی کا ایک وقت میں بیٹا اور غلام نہیں ہوسکتا، تو اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ دونوں چیزیں کیسے روا رکھی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آسمان وزمین میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں۔

آیت کے اگلے حصے سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان وزمین میں تمام چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مملوک ہی نہیں بلکہ محکوم یعنی مطیع اور فرمانبردار بھی ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ.

سب کے سب اُس کے فرمانبردار ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین کے رہنے والے تمام کی تمام مخلوقات جن میں فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی داخل ہیں، سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

پھر ان مخلوقات میں بعض تو برضا ورغبت اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، جیسے فرشتے اور انبیائے کرام اور نیک لوگ؛ اور بعض جبراً وقہراً اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، جیسے شیاطین اور کافر اور فاجر لوگ۔

بہرحال یہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف کرسکے، اور کافر اور فاجر جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، تو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے یا بُرائی کرنے کا اختیار دیا ہے، وہ اپنے ارادے اور منشاء سے بُرائی کو اختیار کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ اختیار نہ دیتے تو کوئی معصیت اور بُرائی نہ کرسکتا۔

غرضیکہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور تصرف میں ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں، ماریں، جس کو چاہیں زندہ کردیں، کوئی اللہ تعالیٰ کے تصرّف سے باہر نہیں نکل سکتا؛ تو جس ذات کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس اور اس کے مِثل نہیں ہوسکتا۔

نیز اس آیت سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ یہودی، عیسائی اور مشرکینِ مکہ جن کو یعنی فرشتے اور بعض انبیاء کو اللہ کا بیٹا اور اولاد کہتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی بندگی اور تسبیح وتقدیس کرتے ہیں، تو پھر یہ یہودی، عیسائی اور مشرکینِ مکہ اُن فرشتوں اور انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کس طرح کہتے ہیں۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ خاص خاص کاموں پر خاص خاص فرشتوں کو مقرر کرنا مثلاً بارش، رزق اور اسی طرح دوسرے اسباب سے کام لینا یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، لہٰذا ان فرشتوں اور اسباب کو حاجت روا مان کر ان سے مدد کے طلبگار رہنا غلط ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہر کام وجود پذیر ہوتا ہے، اور ہر کام کا وجود پذیر ہونے کا سبب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

انسان جو بھی تدبیر کرتا ہے، اُس تدبیر میں اَثر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی پیدا ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسان کی تدبیر میں اَثر پیدا نہ کریں، تو وہ تدبیر بے کار ہے، اور حقیقی مدبّر بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں، کیونکہ انسان کے ذہن میں جو تدبیر آتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسان کے ذہن میں تدبیر نہ ڈالیں، تو انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حقیقی مسبِّب، حقیقی مدبّر اور حقیقی مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

نماز میں خشوع وخضوع کی فضیلت واہمیت (قسط۸)

نماز میں منہ ڈھانپنا

نماز پڑھنے کی حالت میں آدمی کا اپنے منہ کو کپڑے وغیرہ سے ڈھانکنا خشوع کے خلاف اور مکروہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ فِي الصَّلَاةِ (ابنِ ماجة، حديث نمبر ۹۵۶، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما يكره فى الصلاة، واللفظ لهٗ؛ الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ۱۵۸۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے نماز میں آدمی کو اپنے منہ کے ڈھانکنے سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم -نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِى الصَّلَاةِ وَأَنْ يُغَطِّىَ الرَّجُلُ فَاهُ (ابوداؤد حديث نمبر ۶۴۳، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى السدل فى الصلاة، سنن البيهقى حديث نمبر ۳۴۳۵،صحيح ابنِ خزيمة حديث نمبر ۷۵۱، صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ۲۳۵۳، الاوسط لابن المنذر حديث نمبر ۲۳۳۸ ؛ مستدرك حاكم حديث نمبر ۸۸۷) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل سے اور اس بات سے کہ آدمی اپنے منہ کو ڈھانکے،

---

[۱] قال شعيب الأرنؤوط :إسناده حسن فى شواهده(صحيح ابن حبان، حواله بالا)

قال الحاكم: " . "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَا فِيهِ تَغْطِيَةَ الرَّجُلِ فَاهُ فِي الصَّلَاةِ "وقال الذهبى:فى التلخيص :على شرطهما.

قلت :إسناده حسن، وكذا قال الحافظ العراقى، وهو على شرط البخارى، وصححه الحاكم ووافقه الذهبى .وأخرجه ابن حبان فى "صحيحه "(صحيح ابى داوٗد للالبانى، باب السدل فى الصلاة)

منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اورحضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ":لا يُقْبِلُ أَحَدُكُمْ وَثَوْبُهُ عَلَى أَنْفِهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ خَطْمُ الشَّيْطَانِ "(المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۱۴۶۷؛ المعجم الاوسط، حديث نمبر ۹۳۵۴) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نماز کے لیے اس حال میں نہ آئے کہ اس کا کپڑا اس کی ناک پر ہو، کیونکہ یہ شیطان کی ناک ہے (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوبکر بن ابی ملیکہ کی سند سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يُخَمَّرَ الْفَمُ فِي الصَّلاَةِ.(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۷۳۷۴ كتاب الصلاة، باب فی تغطية الْفَمِ فِي الصَّلاَةِ)

ترجمہ: نبی ﷺ نے نماز میں منہ کو ڈھانکنے سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

مرفوع احادیث کے علاوہ کئی جلیل القدر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے بھی نماز میں منہ ڈھانکنے کا مکروہ ہونا مروی ہے۔ [۲]

چنانچہ حضرت خالد ایک شخص سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ ، أَنَّهُ كَرِهَ الاِلْتِثَامَ فِي الصَّلاَةِ عَلَى الأَنْفِ وَالْفَمِ.(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۷۳۹۰ كتاب الصلاة، باب فی التلثم فی الصلاة)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز میں ناک اور منہ پر ڈھاٹا باندھنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

---

[۱] رواه الطبرانی فی الكبير والاوسط ، وفيه ابن لهيعة وفيه كلام(مجمع الزوائد، باب وضع الثوب على الانف فی الصلاة)

قلتُ: ابن لهيعة حسن الحديث، وايضاً له شاهد قوی كمامرّ.

[۲] قال أبو بكر :كثير من أهل العلم يكره تغطية الفم فی الصلاة ، وممن روی عنه أنه كره ذلك ابن عمر ، وأبو هريرة ، وبه قال عطاء ، وابن المسيب والنخعی ، وسالم بن عبد الله ، والشعبی ، وحماد بن أبی سليمان ، والأوزاعی ، ومالك ، وأحمد ، وإسحاق واختلف فيه عن الحسن فروی عنه أنه كره ذلك ، وذكر الأشعث أنه كان لا يری به بأسا (الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ۱۵۸۳)

اورحضرت نافع فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَتَلَثَّمَ الرَّجُلُ فِي الصَّلاَةِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۸۴ کتاب الصلاۃ، باب فی التلثم فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں آدمی کے منہ پرڈھاٹا باندھنے کومکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

حضرت عبدالرحمٰن بن مجبّر سے روایت ہے کہ:

أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَ إِذَا رَأَى الرَّجُلَ يُغَطِّي فَاهُ وَهُوَ فِي الصَّلاَةِ جَبَذَ الثَّوْبَ جَبْذًا شَدِيدًا حَتَّى يَنْزِعَهُ عَنْ فِيهِ .(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۷۹ کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سالم جب کسی آدمی کونماز میں اپنا منہ ڈھانکے ہوئے ہونے کی حالت میں دیکھتے تھے،تو زور سے اس کی گردن سے کپڑا کھینچتے تھے، یہاں تک کہ اُس کواُس کے منہ سے ہٹادیا کرتے تھے(ترجمہ ختم)

اورحضرت ہلال بن یساف فرماتے ہیں:

عَنْ جَعْدَةَ بْنِ هُبَيْرَةَ ، أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً يُصَلِّي وَعَلَيْهِ مِغْفَرٌ وَعِمَامَةٌ قَدْ غَطَّى بِهِمَا وَجْهَهُ فَأَخَذَ بِمِغْفَرِهِ وَعِمَامَتِهِ فَأَلْقَاهُمَا مِنْ خَلْفِهِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر۷۳۷۷، کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: حضرت جعد بن هبیرہ (صحابی یاجلیل القدرتابعی) نے ایک آدمی کواس حالت میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اس پرخود (یعنی جوٹوپی کے نیچے زرہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے) اورعمامہ تھا، جن سے اُس نے اپنے چہرے کوڈھانک رکھا تھا،تو حضرت جعد نے اُس کے خوداورعمامے کو پکڑا،اوران دونوں کواُس کے پیچھے لٹکادیا(ترجمہ ختم)

حضرت جعدہ بن هبیرہ کےایسا کرنے کی وجہ یہی تھی کہ نماز میں چہرے کوڈھانکنا مکروہ ہے۔

اورحضرت ایوب فرماتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ وَهُوَ فِي الصَّلاَةِ .(مصنف ابنِ

ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۷۵ کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین نماز میں آدمی کے منہ ڈھانکنے کو مکروہ قرار دیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ:

عَنْ عَطَاءٍ ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَمَه فِي الصَّلاَةَ .(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۸۰، کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت عطاء نے نماز میں منہ ڈھانکنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت منصور فرماتے ہیں:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُغَطِّيَ فَمَه وَهُوَ فِي صَلاَةٍ.(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۷۶، کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی نے نماز میں اپنے منہ ڈھانکنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت بکیر بن عامر فرماتے ہیں:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهُمَا كَرِهَا أَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ فِي الصَّلاَةَ .(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۸۳ کتاب الصلاۃ، باب فی تغطیۃ الْفَمِ فِی الصَّلاَۃ)

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت شعبی نے آدمی کے نماز میں منہ ڈھانکنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، وَعِكْرِمَةَ أَنَّهُمَا كَرِهَا أَنْ يَتَلَثَّمَ الرَّجُلُ فِي الصَّلاَةَ..(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۷۳۸۵ کتاب الصلاۃ، باب فی التلثم فی الصلاۃ)

ترجمہ: (جلیل القدر تابعین) حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت عکرمہ نے آدمی کے نماز میں (منہ پر) ڈھاٹا باندھنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت لیث سے روایت ہے:

عَنْ طَاوُوسٍ ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُتَلَثِّمًا (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۷۳۸۶ کتاب الصلاة، باب فی التلثم فی الصلاة)

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت طاوس نے آدمی کے (منہ پر) ڈھاٹا باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت اشعث فرماتے ہیں:

عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ كَرِهَ لِلرَّجُلِ أَنْ يُصَلِّيَ مُتَلَثِّمًا (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۷۳۸۸، کتاب الصلاة، باب فی التلثم فی الصلاة)

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت حسن بصری نے آدمی کے (منہ پر) ڈھاٹا باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوخلدہ فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُغَطِّيَ أَنْفَهُ فِي الصَّلاَةِ .(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۷۳۹۲، کتاب الصلاة، باب فی تغطیة الانف وحده)

ترجمہ: حضرت ابوالعالیہ نے نماز میں ناک ڈھانکنے کو مکروہ قرار دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن إبراهيم قال : لا بأس بأن يغطي الرجل رأسه في الصلاة ما لم يغط فاه ، ويكره أن يغطي فاه.

قال محمد :وبه نأخذ ، ونكره أيضا أن يغطي أنفه ، وهو قول أبي حنيفة

(کتاب الآثار، درذیل حدیث نمبر ۱۵۹، باب القهقهة فی الصلاة وما یکرہ فیها)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ نماز میں اس طرح سر کو ڈھانکنے میں تو کوئی حرج نہیں کہ اس کے ساتھ منہ کو نہ ڈھانکے، اور منہ کو ڈھانکنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، اور (نماز میں) اپنی ناک ڈھانکنے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (ترجمہ ختم)

ان احادیث وآثار سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت نماز میں اپنے منہ اور ناک کو ڈھانکنا مکروہ اور خشوع کے

Idara Ghufran

خلاف ہے۔

خواہ رومال یا چادر سے ڈھانکا جائے، یا عمامے کے شملے سے، جیسا کہ بعض لوگ ڈھاٹا باندھ کر منہ کو یا منہ اور ناک دونوں کو چھپا لیتے ہیں۔ [۱]

اور اس عمل میں ایک تو مجوسیوں کی مشابہت ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں، دوسرے نماز میں قرائت اور اذکار کی صحیح ادائیگی میں بھی خلل واقع ہوتا ہے، تیسرے بعض اوقات سنت کے مطابق سجدہ کرنے میں بھی دشواری پیش آتی ہے۔

البتہ اگر جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھا جائے، تو یہ مکروہ نہیں، بلکہ جمائی کے وقت حدیث میں اس عمل کی تعلیم دی گئی ہے۔ [۲]

---

[۱] (فیکرہ التلثم) اللثام ما کان علی الفم من النقاب واللقام ما کان علی أرنبة الأنف وفی الزیلعی التلثم تغطیة الأنف والفم فی الصلاة (حاشیة علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی المکروهات)

وَيُكْرَهُ التَّلَثُّمُ وَهُوَ تَغْطِيَةُ الْأَنْفِ وَالْفَمِ فِي الصَّلَاةِ (الهندیه، الْفَصْلُ الثَّانِي فِيمَا يُكْرَهُ فِي الصَّلَاةِ وَمَا لَا يُكْرَهُ)

[۲] ویکرہ التلثم وهو تغطیة الأنف والفم فی الصلاة ؛ لأنه یشبه فعل المجوس حال عبادتهم النیران (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها)

ومن المکروہ التلثم وتغطیة الأنف والوجه فی الصلاة لأنه یشبه فعل المجوس حال عبادتهم النیران کذا ذکرہ الشارح لکن التلثم هو تغطیة الأنف والوجه کما فی المحیط (البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها)

أنه یمنع حسن إتمام القراءة وکمال السجود وفی شرح السنة إن عرض له التثاؤب جاز أن یغطی فمه بثوب أو یدہ لحدیث ورد فیه ذکرہ الطیبی والفرق ظاهر لأن المراد من النهی استمرارہ بلا ضرورة ومن الجواز عروضه ساعة لعارض قال فی شرح المنیة یکرہ للمصلی أن یغطی فاہ أو أنفه ذکرہ قاضیخان إلا عند التثاؤب (مرقاة، کتاب الصلاة، باب الستر)

ویکرہ أن یغطی فاہ فی الصلاة ؛ لأن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن ذلک ؛ ولأن فی التغطیة منعا من القراءة والأذکار المشروعة ؛ ولأنه لو غطی بیدہ فقد ترک سنة الید ، وقد قال صلی الله علیه وسلم (کفوا أیدیکم فی الصلاة) ولو غطاہ بثوب فقد تشبه بالمجوس ؛ لأنهم یتلثمون فی عبادتهم النار والنبی صلی الله علیه وسلم (نهی عن التلثم فی الصلاة) إلا إذا کانت التغطیة لدفع التثاؤب فلا بأس به لما مر (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة،فصل ما یستحب فیها وما یکرہ)

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی شرائط

جو مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے صحیح مستحق غریبوں، مسکینوں کو دیا جاتا ہے یا خیر کے کسی کام میں خرچ کیا جاتا ہے وہ صدقہ وخیرات کہلاتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدقہ وخیرات مقبول ہونے کے لئے کچھ باتوں کا پایا جانا ضروری ہے، جن کا خلاصہ چھ شرائط ہیں، آگے ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ [۱]

(۱)......نیت میں اخلاص کا ہونا

صدقہ وخیرات کے مقبول ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ نیت میں اخلاص ہو۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو؛ نام ونمود کے لیے نہ ہو۔ [۲]

اور اخلاص کے لئے چھپ کر عمل کرنا زیادہ مناسب اور افضل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے حضور جو چیز پیش کی جاتی ہے بعینہٖ وہی نہیں پہنچتی بلکہ اس کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے لٰہذا یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ بعینہٖ وہی چیز اللہ کے حضور پہنچے گی۔ [۳]

اور اسی وجہ سے صدقہ وخیرات میں کوئی خاص چیز مثلاً بکرا بکری اور وہ بھی کالا یا خاص کھانا ہی ضروری نہیں بلکہ ہر ایسی چیز کا صدقہ کیا جا سکتا ہے جس سے غریب کی ضرورت پوری ہو جائے۔

ضرورت مند غریب کو نقد روپیہ پیسہ دے دے، بھوکے کو کھانا کھلا دے یا لباس کے ضرورت مند کو کپڑے دے دے یا اور کوئی ضرورت کی چیز دیدے سب جائز ہے کوئی خاص چیز ضروری نہیں۔

۱؎ یہ چھ شرائط قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہیں (ملاحظہ ہو: معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳۵)

۲؎ قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (سورة بقرة آیت ۲۷۲)

۳؎ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (سورة الحج آیت ۳۷)

Idara Ghufran

صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لئے زیادہ مفید بھی ہے۔

صدقہ کا ایک صحیح طریقہ یہ ہے کہ غریبوں کی ضرورت کے مطابق ان کا تعاون کیا جائے مثلاً مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ وغیرہ کا خرچ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ کو لباس، جوتا، سردی میں بے سروسامان کو کمبل، رضائی اور گرم لباس وغیرہ غرض یہ کہ غریب کی ضرورت پوری کرنے کا خیال رکھا جائے۔ بعض لوگ اپنی نام آوری اور شہرت کی خاطر بازاروں اور مجمعوں میں سب لوگوں کے سامنے صدقہ خیرات لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، یا شہرت و نام آوری کی خاطر خاموشی کے ساتھ نقدی دینے کے بجائے بعض اشیاء تقسیم کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ شہرت کی خاطر کھلے عام دیگیں پکا کر لوگوں میں کھانا تقسیم کرتے ہیں، اور خاموشی کے ساتھ غریبوں کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ظاہر ہے کہ اخلاص نہ ہونے اور اس کے بجائے شہرت اور ریاء کاری آ جانے سے ثواب تو کیا ہوتا، الٹا گناہ ہوتا ہے۔

(۲)......صدقہ کا سنت کے مطابق ہونا

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ صدقہ سنت کے مطابق ہو۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ مصرف کی اہمیت اور ضرورت کی شدت کا لحاظ کر کے مصرَف کا انتخاب کیا جائے؛ عام طور پر خرچ کرنے والے اس کا لحاظ نہیں کرتے۔

آج کل لوگ اپنی طرف سے صدقہ خیرات میں مخصوص قیدیں اور شرطیں لگا دیتے ہیں، مثلاً مخصوص دن یا تاریخ یا جگہ یا کوئی ھیئت وطریقہ کار متعین کر لیتے ہیں، جو کہ شرعاً متعین نہیں ہوتے، اور ان کو ثواب سمجھتے ہیں، اور پھر بعض اوقات اس پر اعتقاداً یا عملاً اصرار والتزام کرتے ہیں، خواہ وہ عام صدقہ ہو یا ایصالِ ثواب والا صدقہ ہو۔ اس قسم کی قیدیں اور شرطیں لگانا سنت کے خلاف ہے، جو کہ صدقہ کے عمل کو ثواب کی فہرست سے نکال کر گناہ کی فہرست میں داخل کر دیتا ہے۔

جیسا کہ آج کل فوتگی کے بعد تیجے، چالیسویں اور سالانہ وغیرہ کے عنوان سے رسمیں جاری ہیں۔

(۳)......صحیح مصرَف کا انتخاب کرنا

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ صحیح مصرَف میں خرچ کیا جائے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مصرَف شریعت کی رو سے جائز اور اچھا بھی ہو۔

صدقہ کے اصل مستحق غریب لوگ ہیں لہٰذا غریبوں کو دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بعض لوگ صدقہ خیرات تو کرتے ہیں، مگر جہالت کی بناء پر اپنا مال غلط مَصرَف میں خرچ کر دیتے ہیں۔اور بعض اوقات بطور رسم امیروں کو مال کھلا کر اس کو صدقہ تصور کرتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر سائل کو دینا ضروری نہیں، بلکہ بعض سائل بغیر احتیاج اور اضطرار کے صرف پیشہ کے طور پر سوال کرتے پھرتے ہیں، ایسے سائلوں کو زکاۃ، صدقات کا دینا جائز نہیں۔

آج کل مانگنے والوں نے مانگنے؛ کھانے کو ایک پیشہ بنالیا ہے،اور جھوٹی سچی مختلف مجبوریاں سامنے رکھ کر لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں؛اس طرح پیشے کے طور پر مانگنا اور اُن کا تعاون کرنا سب گناہ ہے۔

مگر آج کل بہت سے لوگ لاعلمی کی وجہ سے پیشہ ور سائلوں ہی کو صدقہ کا اصل مستحق سمجھتے ہیں اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔

حالانکہ آج کل عام طور پر پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے بلکہ مالدار ہوتے ہیں،اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر ویسے بھی دینا جائز نہیں خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

اور آج کل مانگنے، کھانے کا پیشہ معاشرے میں بہت قبولیت اختیار کر گیا ہے،اور اس کو پیسہ کمانے کا ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے،اس پیشہ کی خاطر قصداً وعمداً بچوں کو معذور بنا دینے کو بہت بڑا ہنر اور فن سمجھا جانے لگا ہے۔مانگنے کے ایسے نئے رنگ وڈھنگ چل گئے ہیں کہ جن کی طرف لوگوں کی توجہ بھی نہیں جاتی۔

بے شمار پیشہ ور بھکاری آج کے معاشرے میں درحقیقت لکھ پتی اور کروڑ پتی ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو فقیر اور غریب ظاہر کرتے ہیں،اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان پیشہ ور سائلوں اور بھکاریوں کی مدد کرنے والا خود ان سے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

ایسے پیشہ ور سائلوں کو صدقات کے نام سے دینا دراصل اپنے قیمتی مال کو ضائع کرنا اور ثواب کے بجائے ان پیسوں کے عوض گناہوں کو خریدنا ہے، کیونکہ مانگنے کو پیشہ بنانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے اور یہ پیشہ تعاون کرنے والوں کی بیساکھیوں پر ہی سہارا لے کر چلتا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ خود تحقیق کرنے اور اپنے اردگرد کے ماحول میں سفید پوش مستحق غریبوں کو تلاش کرنے

کے بجائے اپنے صدقات کو پیشہ ور بھکاریوں اور سائلوں کی بھینٹ چڑھا کر اس پیشہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور روزمرہ تھوڑا تھوڑا کر کے لاکھوں روپے اس غلط مصرف کی نظر کر کے اصل مستحقین کو محروم کرتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ خود سے صحیح مستحق اور صحیح مصرف کو تلاش کرنے کے بجائے کسی غیر ذمہ دار فرد یا تنظیم یا ادارہ کو صدقہ وخیرات حوالہ کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

جن میں بعض ادارے تو صرف اپنے ذاتی مفادات کی خاطر کام کرتے ہیں۔

بالخصوص جبکہ کوئی زلزلہ یا سیلاب وغیرہ کا حادثہ پیش آ جائے؛ تو متاثرین کی مدد کے لئے بہت سے غیر ذمہ دار بلکہ دوکاندار لوگ صدقات وصول کر کے قوم کی بڑی دولت کو اس کے صحیح مصارف سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس لئے غیر ذمہ دار فرد یا ادارہ کو صدقہ کا مال حوالہ نہیں کرنا چاہئے۔

اگر کسی وقت ضرورت ومصلحت ہو تب بھی ذمہ دار اور امانت دار اور شریعت کے احکام سے واقف فرد اور ادارہ ہی کو سپرد کرنا چاہئے۔

اہلِ حق کی زیرِ سرپرستی دینی مدارس موجودہ دور میں زکاۃ وصدقات کے عمدہ اور اعلیٰ مصارف میں سے ہیں، کہ ان میں زکاۃ وصدقات سے تعاون کرنے والا دین کے احیاء اور بقاء کا ذریعہ اور صدقۂ جاریہ میں شرکت کرنے والا ہے۔

اور دینی مدارس کے طلبہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (سورة بقرة، آیت نمبر ۲۷۳)

(مالی امداد کے بطورِ خاص) مستحق وہ فقراء ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقیّد کر رکھا ہے، کہ وہ (معاش کی تلاش کے لیے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے، وہ اتنے پاکدامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔

بعض لوگ فوتگی کے بعد امیروں وغریبوں کو دعوتیں کھلا کر اس کو صدقہ کا نام دیتے ہیں، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ بعض لوگ صدقہ وخیرات کا مستحق ہونے کے لئے معذور ہونے کو بنیاد بناتے ہیں اور اس کے لئے معذور افراد کی تلاش کرتے ہیں۔ جبکہ صدقہ وخیرات کا مستحق ہونے کے لئے شرعاً معذور ہونا ضروری نہیں بلکہ غریب ومسکین ہونا ضروری اور کافی ہے، اب اگر کوئی شخص غریب ہے مگر معذور نہیں تو وہ صدقہ وخیرات

کا حق دار ہے۔

اور اگر کوئی انسان معذور تو ہے مگر غریب نہیں تو اس کو صدقہ وخیرات کا مستحق سمجھنا غلط ہے، دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جو معذور تو ہیں مگر غریب نہیں ہیں، اس لئے وہ صدقہ وخیرات کے حقدار نہیں ہیں، اور بہت سے انسان ایسے ہیں جو معذور تو نہیں ہیں مگر غریب ہیں اس لئے وہ صدقہ وخیرات کے مستحق اور حق دار ہیں، اور کیونکہ معذور لوگوں کو صدقہ وخیرات کا مستحق سمجھ کر آج کل لوگ خود ہی صدقہ وخیرات وغیرہ دیتے رہتے ہیں اور اس کے برخلاف جو سفید پوش اور غیر معذور غریب ہوتے ہیں ان کو صدقہ وخیرات نہیں دیتے۔ اس لئے ہمارے معاشرے میں آج کل معذور لوگ کم صدقہ وخیرات کے مستحق اور سفید پوش غریب زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

پس جب صدقہ وخیرات دینا ہو تو معذوری اور بیماری وغیرہ کو اصل بنیاد بنانے کے بجائے اصل مستحق ہونے کی جستجو کرنی چاہئے اور پھر مستحق معلوم ہونے کی صورت میں صدقہ وخیرات ادا کرنا چاہئے۔

اسی طرح جس عورت کو صدقہ وخیرات دیا جائے اس کا غریب ہونا کافی ہے، بیوہ ہونا ضروری نہیں اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک عورت بیوہ ہو اور وہ صدقہ کی مستحق نہ ہو، اور اس کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر زندہ ہو اور کمائی بھی کرتا ہو لیکن وہ عورت غریب اور صدقہ وخیرات کی مستحق ہو۔ لہٰذا صدقہ وخیرات کا مستحق ہونے کے لئے عورت کا بیوہ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ یہاں بھی غریب ہونا ہی اصل بنیاد ہے۔

اسی طرح آج کل بہت سے لوگ شادی بیاہ کی مروجہ رسموں میں بھی صدقہ وخیرات کے خرچ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں، اور اس کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ حالانکہ شادی بیاہ کی بہت سی رسمیں ویسے ہی خلافِ شریعت اور گناہ ہیں، اور ان میں تعاون کرنا بھی گناہ ہے۔

یہی حال جہیز کی مروجہ رسم کا بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز کی رسم ایک وبائی صورت اختیار کر گئی ہے جو لوگ جہیز کی رسم پوری کرنے کی قدرت واستطاعت رکھتے ہیں وہ تو اس کو کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے، اور جو خود قدرت نہیں رکھتے وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سوالی اور بھکاری بن کر صدقات وغیرہ جمع کر کے اور بلکہ اس غرض کے لئے چوری ڈکیتی وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کر کے اس رسم کے پورا کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ اور خود دوسرے امیر لوگ بھی غریب لڑکیوں کو جہیز تیار کرانے میں مدد کرنے اور صدقات اس مصرف میں لگانے کو بہت بڑی عبادت خیال کرتے ہیں، ان ملے جُلے افراد کے مختلف نوعیّتوں سے

اس رسم کے ارتکاب اور تعاون کے طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دولہا اور اس کے اہلِ خانہ جہیز کو اپنا حق سمجھنے لگے ہیں اور کُھلے بندوں اس کی فرمائش کرتے اور خود ہی اپنی مطلوبہ چیزوں کا مطالبہ اور ڈیمانڈ کرتے ہیں، بلکہ ان کی تفصیلات کی فہرست بھی پیش کرتے ہیں۔

جبکہ شرعی اعتبار سے نکاح ہونے کے بعد بیوی کے بھی سارے نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ عائد ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ عورت کے لباس، اس کی رہائش، اس کی غذا وغیرہ سب ضروریات کا انتظام شوہر کے ذمہ ہوتا ہے، اگر نکاح کے بعد لڑکی کے والدین اپنا لباس اتروا کر شوہر کو اس بات کا پابند کریں کہ اب وہ اپنا لباس پہنائیں اور خود لباس کا انتظام کریں تو بھی یہ کہنا درست ہوگا۔ ان حالات میں جہیز بنانے میں تعاون کرنے کے بجائے اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے مگر بے شمار لوگ اس رسم کو ختم کرنے کے بجائے اس رسم میں صدقہ وخیرات کر کے تعاون کرتے ہیں۔

افسوس کہ جس رسم کو ختم کرنے کی ضرورت تھی اس کو تو ختم کرنے میں تعاون نہ ہو سکا اور الٹا صدقہ وخیرات وغیرہ سے اس رسم کو فروغ دینا شروع کر دیا اور امیر لوگوں کا اصل تعاون غریب لڑکیوں کے ساتھ یہ ہے کہ خود آگے بڑھ کر ان سے نکاح کریں اور جہیز کی رسم کو ختم کریں، نہ یہ کہ خود تو اسے ختم نہ کر سکیں اور جن کے پاس اس رسم کے انجام دینے کا انتظام نہ ہو ان کو بھی ختم نہ کرنے دیں اور اس رسم میں تعاون کریں۔

ملحوظ رہے کہ صدقہ کا صحیح مستحق کو دے دینا اور صدقہ کی دل میں نیت کر لینا کافی ہے، زبان سے یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ صدقہ ہے، بلکہ ہدیہ وغیرہ کے نام سے بھی اگر مستحق کو صدقہ دیا جائے، تو بھی درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی امیر کو صدقہ دیا جائے، تو وہ صدقہ نہیں، بلکہ ہبہ ہے، اور اگر غریب مستحق کو ہدیہ دیا جائے، تو وہ صدقہ ہے (مجمع الانہر، کتاب الزکاۃ، شروط صحۃ اداء الزکاۃ)

(۴)......صدقہ کر کے احسان نہ جتلانا

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ صدقہ کر کے دوسرے پر احسان نہ جتلایا جائے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ خیرات کیا جائے، صدقہ خیرات کرنے کے نتیجہ میں ان کو اپنا ماتحت اور تابعدار نہ سمجھا جائے، اور ان سے احسان کے اظہار کی توقع نہ رکھی جائے، اور نہ ہی ان کے سامنے اپنے صدقہ خیرات کے احسان کو جتلایا جائے۔

آج کل بہت سے لوگ صدقہ خیرات کر کے دوسروں کو اپنا ماتحت اور تابعدار سمجھنے لگتے ہیں، اور ان سے

اپنی تعریف کی توقع رکھتے ہیں، بلکہ ایسے ہی لوگوں کو صدقہ خیرات کے لئے منتخب کرتے ہیں، جو ان کے احسان مند ہوں۔ جبکہ بعض لوگ اپنے ملازموں اور ماتحتوں کو اس غرض سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، تاکہ وہ ان کے فرمانبردار و تابعدار رہیں، اور ان کا کام ٹھیک کرتے رہیں۔ اس قسم کا طرزِ عمل صدقہ وخیرات کے مقبول ہونے کے لئے مانع و رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اسلامی ہدایات کی روشنی میں تو صدقہ خیرات کرنے والے کو ان لوگوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے، جنہوں نے اس کے صدقہ خیرات کو قبول کیا، اور ان کے ذریعہ سے صدقہ خیرات کرنے والا عظیم فضائل کا مستحق بنا۔

(۵)......صدقہ کر کے تذلیل وتحقیر نہ کرنا

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ صدقہ کے ذریعہ سے دوسرے کی تذلیل وتحقیر نہ کی جائے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو صدقہ خیرات دیتے وقت ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جائے، جس سے صدقہ خیرات لینے والوں کی دوسروں کے سامنے یا صدقہ خیرات کرنے والے کے سامنے ذلت ورسوائی ہو، اور نہ ہی صدقہ خیرات کے بعد دوسروں کے سامنے چرچا وتذکرہ کر کے دوسروں کی آبرو کو نقصان پہنچایا جائے، اور نہ ہی کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جائے، جس کی وجہ سے دوسرے کو جانی ومالی کسی قسم کی تکلیف کا سامنا ہو۔

آج کل بہت سے لوگ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور صدقہ خیرات کر کے دوسروں سے اس کے عوض میں خدمت کی توقع رکھتے ہیں، اور خلاف ورزی پر ان سے خفگی اور ناراضگی بھی اختیار کرتے ہیں۔

(۶)......صدقہ حلال مال سے کرنا

صدقہ وخیرات مقبول ہونے کی چھٹی شرط یہ ہے کہ صدقہ وخیرات میں دیا جانے والا مال حلال ہو۔

آج کل لوگ صدقہ دیتے وقت عام طور پر اس چیز کا لحاظ نہیں کرتے کہ حلال مال سے صدقہ کریں، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ خیرات کرنے سے حرام مال کی بُرائی ختم ہوجاتی ہے، اور وہ اس سہارے پر حرام مال بٹورنے میں جری ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ یہ سوچ غلط ہے، اور اس بنیاد پر حرام مال کمانے کی جرأت کرنا اور زیادہ بُرا ہے۔

بعض لوگ فوتگی کے بعد مرحوم کا مال اس کے وارثوں کی دلی رضامندی کے بغیر صدقہ وخیرات کے عنوان سے خرچ کرتے ہیں، یہ بھی جائز نہیں۔

Idara Ghufran

مقالات و مضامین

مفتی محمد امجد حسین

اِس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ (قسط ۹)

گزشتہ آیات میں مذکور قانون کا سبق

سورہ انعام واعراف کی سابقہ آیات نے یہ حقیقت واضح کردی کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر کان نہ دھرنے والی امتیں، وحی کی روشنی اور آسمانی ہدایت اور نبوت کے فیض سے محروم قومیں اور معاشرے نہ تو تنبیہ وعبرت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی دنیوی پکڑ اور سزا سے ہی صحیح نتیجہ اخذ کر سکے (کہ یہ اللہ کی پکڑ اور گرفت ہمیں کفر و نافرمانی چھوڑ کر ایمان واطاعت کا راستہ اختیار کرنے کے لئے بطور وقتی تنبیہ کے ہے) اور نہ ہی ڈھیل واستدراج کے طور پر حاصل ہونے والی خوشحالی، فارغ البالی، امن واطمینان اور انواع واقسام کی نعمتوں، قوت، شوکت، طاقت، حکومت وسلطنت سے ہی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے، کہ یہ حقیقی نعمتیں نہیں بلکہ امتحان اور ڈھیل ہے، اور ان نعمتوں میں مست ومستغرق ہوکر کفر وطغیان اور شر وفساد میں مزید ترقی، دنیا وآخرت کے بڑے اور دائمی عذابوں کا پیش خیمہ ہے کہ ڈھیل ومہلت کا عرصہ پورا ہوتے ہی یہ سب نعمتیں مبدل بہ مصائب ہوجائیں گی، اور خون کے آنسو رلائیں گی، لیکن پھر تلافی ومہلت کا کوئی بھی راستہ نہ ہوگا، نتیجتاً بطور امتحان خوشحالی وبدحالی کے ان دونوں مرحلوں سے گزر کر دائمی عذاب وہلاکت اور ہمیشہ کی ناکامی وخسران میں مبتلا کردی گئیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک بے شمار قومیں اس قانونِ خداوندی کی زد میں آتی رہی ہیں، اور اس امتحان سے گزر کر نامرادی وہلاکت تک پہنچتی رہی ہیں، قرآن نے جن امتوں اور معاشروں کی تصویر کشی کی ہے، ان میں امت وقوم کی سطح پر تو شائد صرف قومِ یونس اور افراد کی سطح پر البتہ بہت سی امتوں کے کم یا زیادہ افراد اس امتحان میں سرخرو ہوتے رہے ہیں، اور اس قانونِ قدرت کے مرحلے کو عبودیت واطاعت کے ساتھ سَر کر کے دنیا وآخرت کی کامرانیوں کے مستحق بنتے رہے ہیں، نزولِ قرآن سے پہلے کی امتوں کا حال تو کافی حد تک قرآن کریم میں احادیث مبارکہ میں اور اسرائیلی ماٰخذ سے سامنے آجاتا ہے، کہ یہ قانونِ قدرت کس طرح ہر قوم ومعاشرے میں جاری ہوتا رہا ہے، جبکہ قرآن کے نزول کے بعد کے معاشروں، تہذیبوں، قوموں اور نسلوں کا حال اس قرآنی قانون کے حوالے سے ان کے عروج

وزوال کی تفصیلات کی شکل میں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، اور جتنا ملتا ہے، عبرت وبصیرت اور سبق آموزی کے لئے بس کرتا ہے، اور قرآن میں بیان کردہ اس قانونِ قدرت کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ ۱ے

آسمانی ہدایت اور انبیاء کی اطاعت سے محروم معاشروں اور امتوں کا جو نقشہ قرآن نے پچھلی امتوں کے قِصص وواقعات اور ان کی تاریخ کی صورت میں پیش کیا ہے، وہ بڑا بھیانک لیکن عبرت آموز وبصیرت افروز ہے، قومِ نوح، قومِ لوط، عاد وثمود، قومِ شعیب، آلِ فرعون، قومِ یونس (کی ابتدائی حالت) اور بنی اسرائیل کے مختلف گروہ ان سب (کی غالب اکثریت) کے شر وفسا اور کفر وشرک کے جو مناظر قرآن مجید نے دکھائے ہیں، وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں، کہ کوئی فرد، کوئی معاشرہ، کوئی قوم، کوئی انسانی گروہ جب اپنی نجی وانفرادی یا ملی واجتماعی زندگی کو محض اپنی عقل وفہم کی روشنی میں استوار کرے، اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور سفلی جذبات کی تسکین کو ہی اپنی تمام تر دوڑ دھوپ اور جہد وعمل کا محور بنائے، مادی خوشحالی اور دنیوی زندگی کی آراستگی وپیراستگی کو اول وآخر مقصدِ زندگی ٹھہرائے، تو ایسے افراد ومعاشرے پھر ہلاکت کی بڑی گہری دلدلوں میں جا پھنستے ہیں، اور نامرادی وخسران کی پر پیچ گھاٹیوں میں جا اترتے ہیں، اور ان کی عقل کا روشن چراغ بہت جلد نفس اور اس کی سفلی خواہشات کا غلام بن کر شرفِ انسانیت کو بٹہ لگاتا ہے، ایسے افراد ومعاشروں کی فطرت مسخ ہو کر ان کی نظر میں زہر تریاق، گمراہی ہدایت، باطل حق، ناخوب خوب بن جاتا ہے، ایک سچے خدا کی عظمت وجلال کی باتیں، اس کی ربوبیت،

۱ے تفصیل کا تو اس مضمون میں موقع نہیں، البتہ اپنے ہم ذوق بھائیوں کو جن کو قرآن کی آفاقی تعلیمات اور اصولوں کو تاریخ پر منطبق کرنے اور قوموں اور ملتوں، تہذیبوں اور معاشروں کے حالات کا خصوصاً وہ جو نزول قرآن کے بعد ہو گزری ہیں، اور جن کے احوال کافی تفصیل سے تاریخ میں خصوصاً عربی کتب کی تاریخ میں محفوظ ہیں، بغرضِ تذکر، تدبر وتفکر ملاحظہ کرنے کا ذوق ہے، ان کی رہنمائی کے لئے عرض ہے، کہ مقدمہ ابنِ خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابنِ کثیر کی البدایہ والنہائیہ، ابوالقاسم فرشتہ کی تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری، ماٰثر الامراء، اردو میں پروفیسر اکرام کی آبِ کوثر، رودِ کوثر، علی میاں ندوی کی مسلمانوں کا عروج وزوال کا انسانی دنیا پر اثر، عبدالباری علیگ کی کمپنی کی حکومت وغیرہ، ان سب کتبِ تاریخ کا مطالعہ، انسانی معاشروں کے عروج وزوال کے متعلق قرآن مقدس کے بیان کردہ اصولوں اور پچھلی قوموں کے ذکر کردہ حالات وواقعات کی روشنی میں کریں، اس سے جہاں قرآن کی حقانیت کے نئے نئے پہلو کھلیں گے، تو ساتھ ساتھ اس بصیرت میں بھی اضافہ ہوگا، کہ قرآن محض اوامر ونواہی پر مشتمل احکامِ ربانی اور مقدس تعلیمات ہی کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ انسانی معاشروں اور قوموں کے عروج کے اصول بھی بتلاتا ہے، اور زوال کی بھی وجوہ بتلاتا ہے، اور قرآن کے نزول کے بعد کی ۱۴ سو سالہ تاریخ کی لیبارٹری ان اصولوں کو پرکھ کر ان کی صداقت کا اعلان کرتی ہے، اور بتلاتی ہے کہ انسان کی دنیا کی زندگی کی پوری تاریخ میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ کسی انسانی فرد یا قوم اور گروہ نے عروج وزوال کے خداوندی اصولوں سے بغاوت کی ہو، اور تا دمِ آخر اس روِش پر قائم رہا ہو، اور پھر مراد کو پہنچا ہو۔

سنة الله فلن تجد لسنة الله تبديلا، ولن تجد لسنة الله تحويلا.

خالقیت، مالکیت، ورزاقیت کے ہمہ گیر مظاہران کو سمجھ نہیں آتے، خواہ وقت کا نبی ساڑھے نو سو سال تک پوری دلجوئی و دلسوزی کے ساتھ اس بات کی دعوت دیتا رہے، اور اس کے ردعمل میں مخالفین کی ایذا رسانیاں سہتے سہتے عاجز آ جائے، اور نبی کا کیریکٹر و کردار اور اس کے معجزات و کمالات اس مقدس دعوت کی سچائی پر ناطق و شاہد بھی ہوں، ان کی نفس کے ہاتھوں یرغمال عقل ایک لمحے کے لئے ان کو سوچنے سمجھنے پر آمادہ نہیں کرتی، لیکن انہی راہ گم کردہ معاشروں کی زندگی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بے جان مورتیاں، اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے صنم اور بت جو جمادِ محض اور لاشعور ہیں، وہ بغیر کسی دلیل کے، بغیر کسی ثبوت کے، بغیر کسی کمال کے صنم کدوں میں ان کے ٹھاکر و بھگوان بن بیٹھیں، ہر قسم کی عقیدت و تقدس کی حامل بنیں، عجز عبودیت کا ہر قسم کا استحقاق بلاشرکتِ غیرے ان کو حاصل ہو جاتا ہو۔

آسمانی ہدایت سے محروم ظلوم وجہول انسان کی نادانی کے یہ کرشمے (کہ ماننے پہ آ جائے، تو بے جان مورتیاں اس کے لئے معبود ٹھہریں، اور نہ ماننے اور انکار کرنے پر آئے تو سچے خدا کو بھی نہ مانے، جس کی وحدانیت، خالقیت و مالکیت کے مظاہر خود اس کے وجود سے لے کر کائنات کے ذرّے ذرّے میں نمایاں ہیں) یہ بوڑھا آسمان قومِ نوح کے مشرکوں، ود، سواع، یغوث ویعوق کی بے جان مورتیوں کے پجاریوں کی مشرکانہ روِش سے لے کر دورِ جدید کے انسان، اکیسویں صدی کی جاہلیتِ جدیدہ میں مبتلا انسان کی باغیانہ، سفیہانہ، مادیت پرستانہ اور ملحدانہ روش تک مسلسل دیکھتا آ رہا ہے، قرآن مجید نے اولادِ آدم کی اسی کج فطرتی اور عقلی درماندگی و بے مائیگی کو بایں الفاظ یاد کیا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب)

اسلام نے، پیغمبرِ اسلام نے، قرآن نے اسلام سے پہلے کے دور کو، اور اس وقت کی تمدنی و تہذیبی زندگی کو جاہلیت اور زمانہ جاہلیت کا ایک جامع نام دیا ہے، اس نام میں اس دور کی ہمہ گیر گمرہی، نفس پرستی اور بے اعتدالیوں کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے، اسلام نے اپنی آفاقی تعلیمات عام کر کے، آسمانی روشنی پھیلا کر اور زمین کو نورِ ہدایت میں نہلا کر اس جاہلیت اولیٰ کا قلع قمع کر دیا تھا، اس کی بنیادیں اکھیڑ دی تھیں، اس کے مظاہر کو زمین بوس کر دیا تھا، لیکن مغرب نے گزشتہ تین سو سال سے الحاد و دہریت اور لامذہبیت کے جلو میں سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو کر اس جاہلیتِ اولیٰ کو نئے عنوانوں کے ساتھ نئے ناموں سے، نئی آن بان شان سے دنیا میں زندہ کیا ہے، اور ساری انسانیت کو الحاد و دہریت، مادہ پرستی و لامذہبیت اور سفلی خواہشات کی تکمیل پر لگا کر نفس پرستی کے اس بحرِ ظلمات میں دوبارہ غرقاب کیا ہے۔

تین سو سال کے عرصے میں جاہلیتِ جدیدہ کے تمدنی پلوں کے نیچے سے اتنا پانی بہہ چکا ہے، کہ بصورتِ موجودہ اس کا نظامِ فطرت کی اصل بنیادوں کی طرف لوٹنے اور سدھرنے کا قریبی زمانے میں بظاہر کوئی امکان نہیں، الا یہ کہ کوئی کرشمۂ قدرت ظاہر ہو۔

وہ یوں کہ یہ از سرتا پا مادی والحادی عالمی سسٹم و نظام اپنی موجودہ شکست و ریخت کی بناء پر اور اس نظام کے جبر واستحصال کی وجہ سے بڑھتی ہوئی عالمگیر بے چینی، اور انتشار کے نتیجے میں مکمل طور پر زمین بوس ہو جائے، اور دینِ فطرت کے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر ایک نئے عالمی نظام کی اٹھان ہو، جو انہی خطوط پر استوار ہو کر اس جاہلیتِ جدیدہ کی جگہ لے، جن خطوط پر چل کر کبھی اس نے جاہلیتِ اولیٰ، جاہلیتِ قدیمہ کی کایا پلٹ کر کے اس کی جگہ لی تھی، ایک مسلمان کے لئے یہ سوچ اور نظریہ محض ایک ہوائی تخیل اور گپ نہیں، نہ ہی دیوانے کی بڑ ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خروجِ دجال اور ظہورِ مہدی و نزولِ مسیح کی صورت میں آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ایک ٹھوس اور زندہ جاوید حقیقت ہے، جس پر انسانوں کی غالب اکثریت یقین رکھتی ہے، مسلمان تو حضرت مہدی ومسیح کے ہاتھوں دجال و دجالیت کا (یہ موجودہ استحصالی والحادی عالمی سامراجی نظام دجالیت ہی کا مصداق ہے، دجالِ اکبر کا خروج اس نظام کا آخری نکتہ عروج ہوگا، جس کے بعد اس کا اینڈ ہونا، انہدام ہونا، اور دھڑام سے گر کر زمین بوس ہونا دنوں اور مہینوں کی بات ہوگی) انہدام ہو کر اسلام کا غلبہ ہونے کی صورت میں اس پر ایمان و یقین رکھتے ہی ہیں، دوسری دو بڑی قومیں، یہود اور نصاریٰ بھی برعکس صورت میں (یعنی اپنے مذہب کے غلبے کے دعویٰ کے ساتھ) حضرت مسیح کی آمد کے منتظر ہیں، یہودیوں کا مسیح تو خود دجال ہے، جس کے وہ منتظر ہیں، اور وہ ان کا نجات دہندہ بن کر نہیں (جیسا کہ ان کو خوش فہمی ہے) بلکہ ان کی ہلاکت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے آئے گا۔ اس طرح اپنے اپنے مذہب کے اخبار و پیشینگوئیوں کی بنیاد پر گویا کہ انسانوں کی غالب اکثریت (جو تین بڑی امتوں پر مشتمل ہے) مستقبل میں ایک عالمگیر و ہمہ گیر انقلاب کی آس لگائے بیٹھی ہیں، جو موجودہ پورے سسٹم و نظام کو نابود و بے نشان کر دے گا۔

اے بثرا پردۂ یثرب بخواب ——— خیز کہ مشرق و مغرب شد خراب

معمار حرم باز بتعمیرِ جہاں خیز ——— ازخوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے ——— اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

مفتی محمد رضوان

فجر اور شفق کے درجہ کی تحقیق (قسط ۹)

(۲۲)......امام سائحانی اور علامہ شامی کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے روزے کی نیت کے صحیح ہونے کے بارے میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ المشائخ سائحانی رحمہ اللہ سے جو کچھ نقل فرمایا ہے، اس سے بھی صبح صادق کا اٹھارہ درجات زیرِ اُفق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(تَنُبِیُهٌ) : اِعُلَمُ أَنَّ کُلَّ قُطُرٍ [1] نِصُفُ نَهَارِهِ قَبُلَ زَوَالِهِ بِقَدُرِ نِصُفِ حِصَّةِ فَجُرِهِ فَمَتٰی کَانَ الُبَاقِیَ لِلزَّوَالِ أَکُثَرَ مِنُ هٰذَا النِّصُفِ صَحَّ وَإِلَّا فَلا فَفِیُ مِصُرَ وَالشَّامِ تَصِحُّ النِّیَّةُ قَبُلَ الزَّوَالِ بِخَمُسَ عَشُرَةَ دَرَجَةً لِوُجُوُدِ النِّیَّةِ فِیُ أَکُثَرِ النَّهَارِ ؛ لِأَنَّ نِصُفَ حِصَّةِ الُفَجُرِ لا تَزِیُدُ عَلٰی ثَلاثَ عَشُرَةَ دَرَجَةً فِیُ مِصُرَ وَأَرُبَعَ عَشُرَةَ وَنِصُفٍ فِی الشَّامِ فَإِذَا کَانَ الُبَاقِیَ إِلَی الزَّوَالِ أَکُثَرَ مِنُ نِصُفِ هٰذِهِ الُحِصَّةِ ، وَلَوُ بِنِصُفِ دَرَجَةٍ صَحَّ الصَّوُمُ کَذَا حَرَّرَهُ شَیُخُ مَشَایِخِنَا إِبُرَاهِیُمُ السَّائِحَانِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی (منحة الخالق علی البحر الرائق ، اقسام الصوم ج۲ ص ۲۶۰)

ترجمہ: تنبیہ: یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ کسی بھی دن زوال سے پہلے نصف حصے کا ہر قطر اسی دن کی فجر (صادق، نہ کہ کاذب) کے (وقت کے) نصف حصے کے برابر ہوتا ہے، پس جب زوال میں اس نصفِ فجر سے زیادہ باقی ہو تو روزے کی نیت صحیح ہے، ورنہ صحیح نہیں، پس مصر اور شام میں زوال سے 15 درجے پہلے (جس کی کل مقدار ایک گھنٹہ بنتی ہے، اور ایک درجہ سے چار منٹ مراد ہیں) روزے کی نیت صحیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اکثرِ نہار میں روزے کی نیت پائی جائے گی، کیونکہ فجر کا نصف حصہ مصر میں 13 درجے (یعنی 52 منٹ) سے اور شام

---

[1] قطر الدائرة: الخط المستقيم الواصل من جانب الدائرة إلى الجانب الآخر بحيث يكون وسطه واقعاً على المركز. (التعريفات للجرجانی ص۵۷)

Idara Ghufran

میں ساڑھے 14 درجے (یعنی 58 منٹ) سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پس جب زوال میں فجر کے اس مذکورہ نصف حصے سے زیادہ باقی ہو، اگرچہ وہ نصف درجہ (یعنی 2 منٹ) ہی زیادہ کیوں نہ ہو، تو اس میں نیت کرنے سے روزہ درست ہوجائے گا، اسی طرح یہ مسئلہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت ابراہیم سائحانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے (ترجمہ مکمل)

اور علامہ شامی رحمہ اللہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

(تَنۡبِيۡهٌ) قَدۡ عَلِمۡتَ أَنَّ النَّهَارَ الشَّرۡعِيَّ مِنۡ طُلُوۡعِ الۡفَجۡرِ إِلَى الۡغُرُوۡبِ وَاعۡلَمۡ أَنَّ كُلَّ قُطۡرٍ نِصۡفُ نَهَارِهٖ قَبۡلَ زَوَالِهٖ بِنِصۡفِ حِصَّةِ فَجۡرِهٖ فَمَتٰى كَانَ الۡبَاقِي لِلزَّوَالِ أَكۡثَرَ مِنۡ هٰذَا النِّصۡفِ صَحَّ وَإِلَّا فَلَا تَصِحُّ النِّيَّةُ فِيۡ مِصۡرَ وَالشَّامِ قَبۡلَ الزَّوَالِ بِخَمۡسَ عَشۡرَةَ دَرَجَةً لِوُجُوۡدِ النِّيَّةِ فِيۡ أَكۡثَرِ النَّهَارِ ؛ لِأَنَّ نِصۡفَ حِصَّةِ الۡفَجۡرِ لَا تَزِيۡدُ عَلٰى ثَلَاثَ عَشۡرَةَ دَرَجَةً فِيۡ مِصۡرَ وَأَرۡبَعَ عَشۡرَةَ وَنِصۡفٍ فِي الشَّامِ فَإِذَا كَانَ الۡبَاقِيَ إِلَى الزَّوَالِ أَكۡثَرَ مِنۡ نِصۡفِ هٰذِهِ الۡحِصَّةِ وَلَوۡ بِنِصۡفِ دَرَجَةٍ صَحَّ الصَّوۡمُ كَذَا حَرَّرَهٗ شَيۡخُ مَشَايِخِنَا السَّائِحَانِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى (رد المحتار ،سبب صوم رمضان جزء ۷ ص ۳۳۵)

ترجمہ: تنبیہ: آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ نہارِ شرعی طلوعِ فجر (صادق، نہ کہ کاذب) سے غروب تک ہوتا ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ ہر قطر کا نصفِ نہار اس کے زوال سے پہلے اس کی فجر کے نصف حصے کے بقدر ہوتا ہے، پس جب زوال میں اس نصفِ فجر سے زیادہ باقی ہو تو روزے کی نیت صحیح ہے، ورنہ صحیح نہیں۔ پس مصر اور شام میں روزے کی نیت کرنا صحیح ہے، زوال سے 15 درجے پہلے (جس کی کل مقدار ایک گھنٹہ بنتی ہے، کیونکہ یہاں ایک درجہ سے چار منٹ مراد ہیں) کیونکہ اس صورت میں اکثرِ نہار میں روزے کی نیت پائی جائے گی، کیونکہ فجر کا نصف حصہ مصر میں 13 درجے (یعنی 52 منٹ) سے اور شام میں ساڑھے 14 درجے (یعنی 58 منٹ) سے زیادہ نہیں ہوتا۔ [۱]

---

[۱] یعنی اطولِ ایام میں زیادہ سے زیادہ عرض البلد کے مطابق مذکورہ وقت سے زیادہ نہیں ہوتا۔
ملحوظ رہے کہ سال میں دو مرتبہ دائرۃ البروج اور سماوی دائرۂ استوا آپس میں ملتے ہیں، ایک کو اعتدالِ ربیعی کہتے ہیں، جو کہ تقریباً 21 مارچ کو واقع ہوتا ہے، اور دوسرے کو اعتدالِ خریفی کہتے ہیں جو کہ تقریباً 23 ستمبر کو واقع ہوتا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب زوال میں فجر کے اس مذکور نصف حصے سے زیادہ باقی ہو۔

اگر چہ وہ نصف درجہ (یعنی 2 منٹ) ہی زیادہ کیوں نہ ہو، تو اس میں نیت کرنے سے روزہ درست ہوجائے گا، اسی طرح یہ مسئلہ ہمارے شیخ المشائخ سائحانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے (ترجمہ مکمل)

فائدہ: ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نہارِ شرعی صبح صادق سے لے کر غروب تک ہوتا ہے، اور صبح صادق اور طلوع کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے، جب زوال ہونے میں اس کی نصف مقدار سے زیادہ باقی ہو (خواہ نصف درجہ یعنی تقریباً دو منٹ ہی کیوں نہ زیادہ ہو)

اس وقت تک روزے کی نیت کرنا درست ہے، اور اگر مذکورہ مقدار سے کم باقی ہو (خواہ نصف درجہ ہی کیوں نہ ہو) تو روزہ کی نیت کرنا درست نہیں۔

پھر آگے مصر وشام کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی، اس کے مطابق فجر کے وقت کا نصف مصر میں 13 درجے یعنی تقریباً 52 منٹ سے اور شام میں ساڑھے چودہ درجے یعنی تقریباً 58 منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ملکِ مصر میں فجر کا زیادہ سے زیادہ عرضِ بلد کے اعتبار سے وقت ایک گھنٹہ اور تقریباً چوالیس منٹ اور ملکِ شام میں زیادہ سے زیادہ عرضِ بلد کے اعتبار سے ایک گھنٹہ تقریباً چھپن منٹ ہوتا ہے۔ اور مذکورہ وقت کا یہ حساب 18 درجے زیرِ اُفق پر صادق آتا ہے، نہ کہ 15 درجے زیرِ اُفق پر۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور ان دونوں کے مجموعہ کو اعتدالین (Equinoxes) کہا جاتا ہے۔

اور سال میں دو دفعہ سورج اپنی سمتِ انحراف کو تبدیل کرتا ہے، مثلاً گرمیوں میں سورج شمالی نصف کرہ میں شمال کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، لیکن تقریباً 21 جون کو واپس ہوکر مائل بہ جنوب ہوجاتا ہے، اس کو انقلاب الشمس صیفی کہتے ہیں، اسی طرح روز بروز پھر جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے اعتدالِ خریفی پر آجاتا ہے، اور اس سے آگے پھر مزید جنوب میں جاکر تقریباً 22 دسمبر کو دوبارہ شمال کی سمت میں واپس آنا شروع کرتا ہے، اس کو اس انقلاب الشمس شتوی کہتے ہیں،

اور ان دونوں کے مجموعہ کو انقلاب الشمس (Solstice) کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو: فہم الفلکیات ص ۳۷، مصنفہ: سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب)

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ جو کہ خود 15 درجہ زیرِ افق پر صبح صادق کے قائل ہیں، وہ بھی علامہ شامی رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا عبارت سے مصر اور شام کے مذکور اوقات 18 درجے زیرِ اُفق کے مطابق ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں صبح صادق کا زیادہ سے زیادہ وقت ایک گھنٹہ ۴۴ منٹ اور شام میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۵۶ منٹ ہے، حالانکہ یہ حساب ۱۵ زیرِ افق کے بجائے ۱۸ زیرِ افق پر منطبق ہوتا ہے، موجودہ نقشوں میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اس سے ظاہر ہوا کہ شیخ المشائخ حضرت ابراہیم سائحانی اور علامہ شامی رحمہما اللہ کے نزدیک صبح صادق 18 درجے کے مطابق ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شام کا منتہی العرض تقریباً ۳۷ درجہ ہے، اس کے مطابق وقتِ مذکور صحیح ہے، مگر عرض مصر کا منتہا موجودہ نقشوں میں تقریباً ۳۱ ہے، اور وقتِ مذکور ۳۳ عرض البلد کا ہے، ممکن ہے کہ اس زمانے میں مصر کی وسعت ۳۳ عرض تک ہو، یا وقت کی تخریج کرنے والے نے مصر کا منتہی العرض ۳۳ سمجھا ہو (احسن الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

مگر جب ہم نے اس پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ ملکِ مصر کا انتہائی شمالی عرض البلد کا علاقہ ''الخشو'' (Al Khushu) ہے، جس کا عرض البلد 31.36 اور طول البلد 31.01 درجہ شمالی ہے، اس مقام پر اطولِ ایام یعنی 21 جون کو 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق صبح صادق تین بجکر بارہ منٹ (3:12AM) پر اور طلوعِ آفتاب چار بجکر باون منٹ (4:52AM) پر ہے، اور یہ فاصلہ ایک گھنٹہ چالیس منٹ بنتا ہے، جو کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے بیان کردہ درجات کے حساب سے کوئی قابلِ ذکر تفاوت نہیں، کیونکہ علامہ شامی کی فی درجہ سے مراد 4 منٹ ہے، اور جب متعدد درجات کا ذکر ہو تو درمیان میں منٹوں کے کسور کے تفاوت کی رعایت نہیں ہوتی، اور پہلے دور میں کمپیوٹر اور دوسرے جدید ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے چند منٹوں کا تفاوت کوئی قابلِ ذکر و قابلِ شبہ چیز نہیں، نیز صبح صادق اور زوال میں ایک دو منٹ کی احتیاط شامل کرنے اور عرصۂ دراز کے بعد چند منٹوں کا فرق فنی لحاظ سے ممکن ہے، لہٰذا یہاں احسن الفتاویٰ میں مذکور تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔

''الخشو'' (Al Khushu) کے 21 جون کی تاریخ میں 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asrshafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
8:44PM	7:04PM	4:54PM	03:37PM	11:58AM	4:52AM	3:12AM	21

اور ملکِ شام کا انتہائی شمالی عرض البلد کا علاقہ ''القمشلی'' (Al qamishli) ہے، جس کا عرض البلد 37.03 اور طول البلد 41.14 درجہ شمالی ہے، اس مقام پر اطولِ ایام یعنی 21 جون کو 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق صبح صادق دو بجکر تین منٹ (2:03AM) پر اور طلوعِ آفتاب تین بجکر چھپن منٹ (3:56AM) پر ہے، اور یہ فاصلہ ایک گھنٹہ ترپن منٹ بنتا ہے، جس میں صرف 3 منٹ کا فرق ہے، جو کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے بیان کردہ درجات کے حساب سے کوئی قابلِ ذکر تفاوت نہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔

''القمشلی'' (Al qamishli) کے 21 جون کی تاریخ میں 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asrshafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
8:31pm	6:38pm	4:24pm	3:09pm	11:17am	3:56am	2:03am	21

لیکن حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ:

بہر کیف اشکال یہ ہے کہ اس عبارت میں ۱۸ / زیرِ اُفق کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے، اس اشکال کا جواب بھی مندرج بالا تفصیل سے حاصل ہو جاتا ہے، یعنی ماہرینِ فلکیات کا دستور یہ رہا ہے کہ وہ صبح کاذب کو مطلق صبح سے تعبیر کرتے ہیں، اس سے بعض حضرات کو اشتباہ ہو گیا اور وہ اسے صبح صادق سمجھنے لگے، نیز انتہاءِ سحر کے باب میں احتیاط کے پیشِ نظر عمداً بھی صبح کاذب کے اوقات لکھنے کا دستور رہا ہے، ہم گزشتہ مضمون میں اس کی چند مثالیں بھی پیش کر چکے ہیں، بہر کیف مصر و شام کے مذکورہ اوقات صبح صادق کے نہیں، بلکہ صبح کاذب کے ہیں، جب علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ خود کتاب الصلوٰۃ میں دو جگہ اس کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ صبح کاذب و صادق میں تین درجات کا فرق ہے تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہاں اس کے خلاف نقل لا کر وجہِ تطبیق یا ترجیح ذکر نہ کریں (احسن الفتاویٰ، جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲۳).....علاّمہ شامی کا ایک اور حوالہ

علامہ شامی رحمہ اللہ ایک مقام پر سفر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الزَّوَالِ فِيْ أَقْصَرِ أَيَّامِ السَّنَةِ فِيْ مِصْرَ وَمَا سَاوَاهَا فِي الْعَرْضِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مگراس تاویل سے کسی طرح بھی اتفاق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اوّلاً تو خود ان اوقات کے بیان کرنے والوں نے صبح کاذب کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ متعدد حضرات نے صبح صادق کا دعویٰ کیا ہے اور خود انتہائے سحر و فجر کے الفاظ بھی صبح صادق پر دلالت کرتے ہیں، نہ کہ کاذب پر، کیونکہ کاذب کے ظہور وغروب پر کوئی بھی مسلمان سحری کے اختتام یا روزہ کے آغاز کا قائل نہیں

اگراس سے احتیاط پیشِ نظر ہوتی، تو اس کا مسئلہ علیٰحدہ بتایا جاتا، اور بتایا جاتا ہے، پھر اگر روزے کو جلدی بند کرنے میں احتیاط ہے، تو نمازِ فجر کو صبح صادق سے پہلے پڑھنے میں ذرا بھی احتیاط نہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ صبح صادق کے تیقن سے پہلے اس کا حکم نہ لگایا جائے، اور نقشے صرف سحری کے ہی نہیں بنائے گئے، بلکہ نمازِ فجر کے عنوان سے بھی بنائے گئے ہیں، خصوصاً جبکہ فرض روزوں کی سحری کا تعلق ایک مہینے کے ساتھ ہے، اور اس کے مقابلے میں فرض نماز کا تعلق پورے سال اور ہر دن کے ساتھ ہے۔ دوسرے اصل صبح جس سے احکام وابستہ ہیں وہ صادق ہی ہے، کاذب سے کوئی حکم وابستہ نہیں، بلکہ شریعت اور حقیقت دونوں کی نظر میں وہ درحقیقت صبح ہی نہیں، اور اس کو اس وجہ سے صبح کاذب کہا جاتا ہے، تاکہ صادق سے اشتباہ نہ ہو، اور اسی وجہ سے اس کو کاذب کی قید کے ساتھ ہی بولا جاتا ہے۔ اور جب کوئی چیز بغیر قید کے مطلق بولی جاتی ہے تو اس سے اصل صادق اور حقیقی فرد ہی مراد ہوا کرتا ہے، نہ کہ غیر اصل اور غیر حقیقی، یہاں تک کہ کاذب (لان المطلق اذا یطلق ینصرف الی الکامل)

لہٰذا مطلق صبح یا فجر کے لفظ سے صبح صادق ہی مراد لی جائے گی، اور مسلمان ماہرینِ فلکیات سے یہ بات بعید ہے کہ وہ ایک ایسی چیز کے درجات بیان کرنے پر اکتفاء کریں جس کا وقت بھی ان کے نزدیک متعین نہیں، اور اس سے کوئی حکمِ شرعی بھی وابستہ نہیں، اور جس سے حکمِ شرعی وابستہ ہے اس کو یکسر نظر انداز کردیں، جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے علمِ فلکیات کا اہم مقصد شرعی احکام کا معلوم کرنا ہی ہے۔ پھر اوپر سے فقہاء وعلماء کو اشتباہ میں مبتلا قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ اگر بالفرض ماہرینِ فلکیات باوجود مسلمان ہونے کے صبح صادق کے درجات کی تعیین سے غافل رہے تو فقہائے کرام کا منصب تو حکمِ شرعی بیان کرنا ہوا کرتا ہے، ان سے ایک ایسی چیز کے بارے میں جس کا مشاہدے سے پتہ چلایا جاسکتا ہے، یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی ماہرینِ فلکیات کی بات سمجھنے سے قاصر رہے، یا اگر خود سمجھ گئے تھے تو دوسروں کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنے سے غفلت برتی، جبکہ ان کی بے شمار تصنیفات میں جو نمازوں کے اوقات سے متعلق ہیں، ۱۸ درجے پر صبح صادق کے طلوع ہونے کا صراحتاً ذکر ہے، پھر جمہور متقدمین ومتاخرین کی تمام کتب کاذب کے درجات کی تعیین سے خاموش ہیں۔

علاوہ ازیں پہلے دور کے مشاہدات کئی جہات سے موجودہ دور کے مشاہدات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ علامہ شامی رحمہ اللہ مسئلہ مجوث فیہ عبارات میں لفظِ فجر اور زوال بول کر روزہ کے درست ہونے نہ ہونے کے ایک حکمِ شرعی کو بیان کررہے ہیں، جس میں آدھے درجہ تک کے حکم کو بھی نظر انداز نہیں فرمارہے بلکہ اس کو بھی بیان کررہے ہیں ’’بقولہ ’’صَحَّ وَإِلَّا فَلَا‘‘ وبقولہ’’ ولو بنصف درجۃ صح الصوم ‘‘ تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ نصف درجہ تک کا تو حکم بیان کردیں اور دوسری طرف تین درجات کو نظر انداز کرکے روزے جیسے فریضہ کا حکم بیان کریں۔ رہا علامہ شامی کا علامہ شیخ خلیل کاملی سے فجرین کے درمیان تین درجات کے تفاوت کا نقل فرمانا تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صبح صادق پندرہ درجات پر ہوتی ہے، کیونکہ صوم کا مندرجہ بالا مسئلہ اٹھارہ درجات کے مطابق سامنے رکھتے ہوئے اگر اس میں تین درجات شامل کئے جائیں تو اکیس درجات پر صبح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سَبۡعُ سَاعَاتٍ إِلَّا رُبُعًا فَمَجۡمُوۡعُ الثَّـلَاثَةِ الۡأَيَّامِ عِشۡرُوۡنَ سَاعَةً وَرُبُعٌ ......وَيَخۡتَلِفُ بِحَسَبِ اِخۡتِلَافِ الۡبُلۡدَانِ فِي الۡعَرۡضِ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

ترجمہ: پھر فجر سے زوال تک سال کے چھوٹے دنوں میں مصر اور اس کے برابر عرضِ بلد والے علاقوں میں پونے سات گھنٹے ہوتے ہیں (پھر آگے فرماتے ہیں) اور یہ اوقات عرض البلد کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں (ترجمہ مکمل)

فائدہ: مصر جس کا کم از کم عرضِ بلد 22 درجے ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ کی بیان کردہ (صبح صادق سے زوال تک پونے سات گھنٹے کی) تفصیل کے مطابق 22 درجہ عرض البلد کے اعتبار سے اقصرِ ایام یعنی 22 دسمبر کی تاریخ میں مذکورہ وقفہ بھی 15 درجے زیرِ افق کے بجائے 18 درجے زیرِ افق کے مطابق درست بنتا ہے۔ [1]

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ 15 درجے کے بجائے 18 درجے پر صبح صادق کے قائل ہیں (جاری ہے)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کاذب کا ہونا لازم آتا ہے۔ اگر علامہ شامی رحمہ اللہ 15 درجہ زیرِ افق پر صبح صادق کے قائل تھے، تو یہاں اس کا تذکرہ کیوں نہیں فرمایا؟ پھر سفر کے مسئلہ میں بھی علامہ شامی رحمہ اللہ نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے، اس سے بھی صاف طور پر 18 درجے زیرِ افق پر صبح صادق ہونے کی تائید ہوتی ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) افسوس کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی طرف سے متعدد مقامات پر اٹھارہ درجہ کے مطابق اوقاتِ فجر کی تصریحات کو نظر انداز کر کے ان میں تو تاویلاتِ بعیدہ کی جاتی ہیں، اور فجرین کے درمیان شیخ خلیل کاملی کی محتمل المعانی نقل کردہ عبارت کو منصوص کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ اس عبارت سے پندرہ درجہ زیرِ اُفق صبح صادق ہونے پر استدلال ہی درست نہیں (جس کی تفصیل ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) اور اگر کوئی پھر بھی اصرار کرے تو خود علامہ شامی رحمہ اللہ کے اپنے نقل کردہ ۱۸ درجہ پر طلوعِ صادق کے مسئلہ کے خلاف عمل کرنے کا کیا جواز ہے؟

[1] مصر کا کم از کم عرض البلد والا علاقہ ''الوادی'' ہے، جس کا عرض البلد 22 اور طول البلد 31 درجہ ہے، اس علاقہ میں اقصرِ ایام کی تاریخ یعنی 22 دسمبر کو 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق صبح صادق پانچ بجکر گیارہ (5:11am) منٹ پر اور زوال گیارہ بجکر پچپن منٹ (11:55am) پر ہے، اور صبح صادق سے زوال تک کا یہ وقفہ 6 گھنٹہ چوالیس منٹ بنتا ہے، جو کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی پونے سات گھنٹے کی تصریح کے مطابق بالکل درست بنتا ہے۔

جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے نزدیک صبح صادق اٹھارہ درجے زیرِ افق کے مطابق ہوتی ہے۔

''الوادی'' کے 22 دسمبر کی تاریخ میں 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asrshafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
6:38pm	5:18pm	3:43pm	2:58pm	11:55am	6:31am	5:11am	22

مندرجہ بالا اوقات کی تخریج میں جناب مولانا سید حسین احمد صاحب زید مجدہٗ (دارالافتاء: دارالعلوم کورنگی، کراچی) نے معاونت فرمائی ہے، جن کا بندہ ممنون ہے۔ محمد رضوان۔

مقالات ومضامین

مفتی منظور احمد

ذخیرہ اندوزی

ذخیرہ اندوزی آجکل کی تجارت کا لازمی جزء اورتاجروں کا معمول بن چکا ہے، جو نہ صرف یہ کہ تجارت میں بے برکتی کا سبب ہے بلکہ بعض صورتوں میں حرام بھی ہے، اور حضور اقدس ﷺ سے مروی متعدد احادیث میں ممانعت اور برائی اوراس پرسخت قسم کی وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الجالب مرزوق والمحتكر ملعون"

ترجمہ: باہر سے مال لانے والے کورزق دیا جاتا ہے اور مال کو مہنگا کر کے بیچنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے (سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲)......حضرت معمر بن عبداللہ بن نضلہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خطا کار کے سوا کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں کرسکتا (سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو مسلمانوں سے مال روک کر ذخیرہ اندوزی کریگا اللہ تعالیٰ اسے جذام اور افلاس میں مبتلا فرمائے گا (سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے چالیس رات کھانا ذخیرہ کیا وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہوگیا (کنز العمال ج۴ ص ۹۹ بیروت)

(۵)......حضرت ابو اسامہ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے غلے کی ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۰۴ ادارۃ القرآن کراچی)

(۶)......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے شہر میں ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۰۴ ادارۃ القرآن کراچی)

(۷)......حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے خوردنی اشیاء اس ارادے سے ذخیرہ کیں کہ مسلمانوں پر مہنگا فروخت کریگا تو وہ خطا کار ہے اور اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۲ دار الفکر بیروت)

(۸)......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"برا ہے ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ کہ اگر اللہ تعالیٰ قیمتوں کو گھٹائے تو غمگین ہوتا ہے اور اگر قیمتوں میں اضافہ ہو تو خوش ہوتا ہے" (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۴ موسسۃ المعارف بیروت)

(۹)......حضرت ابوامامہ رضی للہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اہل مدائن اللہ کے راستے میں بیٹھے ہیں اس لئے انکی خوردنی اشیاء میں ذخیرہ اندوزی نہ کرو اور نہ انکے ساتھ گراں فروشی کرو، اگر کوئی انکی اشیاء میں چالیس دن تک ذخیرہ اندوزی کرے تو وہ اگر چہ صدقہ بھی کرے تو بھی اسکا کفارہ نہیں ہوگا (کنز العمّال حدیث ۹۷۳۴، ۹۷۳۵ ج ۴ ص ۱۰۰ الاحتکار من الاکمال، مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

(۱۰)......حضرت ابوھریرہ اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذخیرہ اندوزی کرنے والے اور قاتل حشر میں ایک درجہ میں ہونگے اور جس نے مسلمانوں کے نرخ میں اضافہ کیلئے دخل دیا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ قیامت کے دن اسے جہنم کے بڑے طبقے میں عذاب دے (کنز العمّال حدیث ۹۷۳۷، ۹۷۳۹ ج ۴ ص ۱۰۱ الاحتکار بین الاکمال، مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

(۱۱)......امام مالک سے روایت ہے کہ ان تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمارے بازار میں کوئی ذخیرہ اندوزی نہ کرے، جن لوگوں کے ہاتھ میں ضرورت سے زیادہ روپیہ ہے وہ کسی غلے کو جو ہمارے ملک میں آئے خرید کر ذخیرہ نہ کریں، اور جو شخص تکلیف اٹھا

کر ہمارے ملک میں غلہ لائے گرمی یا سردی میں وہ عمر کا مہمان ہے، وہ جیسے اللہ کو منظور ہو غلہ بیچے اور جیسے اللہ کو منظور ہو رکھ چھوڑے (الموطا للامام مالک ص ۵۹۱ الحکرۃ والتربص مکتبہ الحسن لاہور)

(۱۲)......ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو غلے کے دانے بکھرے ہوئے دیکھ کر دریافت فرمایا:

یہ غلہ کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ غلہ لایا گیا ہے، آپ نے فرمایا اللہ برکت دے کون لایا ہے؟ کسی نے کہا اے امیر المؤمنین یہ تو ذخیرہ کیا گیا ہے، آپ نے پوچھا کس نے ذخیرہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام فروخ نے اور حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام فلاں نے، آپ نے ان دونوں کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تم نے مسلمانوں کے غلے کو کیوں ذخیرہ کیا؟ انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین، ہم نے اپنے مال سے خریدا ہے اور اب ہم اسے فروخت کریں گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے غلے کو ذخیرہ کرے اللہ تعالیٰ اسے جذام یا افلاس میں مبتلاء کرے، یہ سن کر فروخ نے کہا، اے امیر المؤمنین میں اللہ تعالیٰ اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی غلے کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرونگا، مگر حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام نے کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے اور فروخت کرتے ہیں (لہٰذا کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئیے) اس حدیث کے راوی ابو یحییٰ کہتے ہیں کے بعد میں میں نے حضرت عمر کے اس آزاد شدہ غلام کو جذام کی حالت میں مبتلاء دیکھا (کنز العمّال حدیث ۱۰۰۶۶ ج ۴ ص ۱۸۱ الاحتکار من الاکمال مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

(۱۳)......امام مالک سے مروی ہے کہ انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ:

حضرت عثمان بن عفان ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا کرتے تھے (الموطا للامام مالک ص ۵۹۱ الحکرۃ و التربص مکتبہ الحسن لاہور)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ احتکار اور ذخیرہ اندوزی شریعت کی نظر میں انتہائی مذموم فعل ہے، اور ایسا کرنے والا شخص ملعون، گناہگار، بہت برا اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ سے بری ہے، جس کی سزا دنیا میں جذام اور افلاس و تنگدستی اور آخرت میں جہنم کے بڑے طبقے میں عذاب ہے۔

ذخیرہ اندوزی کو شریعت نے کئی وجوہ سے حرام قرار دیا ہے، ایک اس وجہ سے کہ اس سے لوگوں کی ضرورتیں رک جاتی ہیں، جس سے وہ دشواری میں مبتلاء ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو دشواری اور پریشانی میں ڈالنا ناجائز ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "**لاضرر ولا ضرار فی الاسلام** "اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا جائز ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا پسندیدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کا مقصد ایسے اخلاق کی تعلیم دینا ہے جن سے ایثار، تعاون مواسات اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ انسان کے اندر پیدا ہو جبکہ ذخیرہ اندوزی انسان کے اندر خودغرضی، نفس پرستی، خواہشات کا اتباع اور انانیت جیسی بری خصلتیں پیدا کرتی ہے جو اسلام کی نظر میں انتہائی قبیح اور بری ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلام خواہش کی بنیاد پر خریداری کے بجائے ضرورت کی بنیاد پر خریداری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کیونکہ اگر محض خواہشات کی بنیاد پر خریداری کی حوصلہ افزائی کی جائے تو اس سے قوت خرید رکھنے والے افراد اشیاء خرید کر جمع کرتے رہیں گے جس سے گرانی میں اضافہ ہوگا، جبکہ کم قوت خرید رکھنے والے اپنی جائز ضروریات کی خریداری سے بھی عاجز آجائیں گے۔ اور ذخیرہ اندوزی سے خواہش کی بنیاد پر خریداری کو تقویت ملتی ہے۔

فقہاء کرام نے جن شرائط کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے انکی بنیاد بھی اسی نقطہ پر ہے کہ اس سے لوگوں کو ضرر اور دشواری پیش آتی ہے چنانچہ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱)......جس چیز کی ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے وہ انسانوں یا جانوروں کی خوراک ہو یا اس کے علاوہ عام ضرورت کی چیز ہو۔

(۲)......ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے شہر والوں کو تکلیف ہو۔

(۳)......وہ اپنی زمین کی پیدوار نہ ہو، اگر اپنی زمین کی پیداوار کی ذخیرہ اندوزی کی جائے تو یہ ناجائز نہ ہوگا۔

(۴)......ایسی جگہوں سے اسے نہ خریدا جائے جن کی پیداوار اس شہر میں آتی ہو اگر ایسی جگہ سے خرید کر لاتا ہے جس کی پیداوار اس شہر میں نہیں آتی تو بھی ذخیرہ اندوزی منع نہیں۔

(۵)......کم از کم ایک ماہ تک ذخیرہ اندوزی کی جائے لہٰذا اس سے کم ذخیرہ اندوزی منع نہیں ہوگی (الدرالمختار مع الرد ج۵ ص ۲۵۵)

اگر کہیں ذخیرہ اندوزی میں یہ شرائط نہ پائی جائیں تو اگر چہ وہ شرعاً ممنوع نہیں مگر پھر بھی شریعت کی نظر میں پسندیدہ فعل نہیں جیسا کہ سابقہ احادیث سے واضح ہے، چنانچہ اکابر نے اس سے بھی احتراز کیا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک سچے تاجر کا واقعہ لکھا ہے جو کہ واسط کے رہنے والے تھے انہوں نے گندم کی ایک کشتی بصرہ بھیجی اور اپنے وکیل کو لکھا کہ جس دن یہ غلہ بصرہ پہنچے اسی دن اسے فروخت کر دینا ایک دن بھی تاخیر نہ کرنا، وکیل نے دیکھا قیمت کم ہے اور مزید بڑھنے کا امکان ہے، اسے دوسرے تاجروں نے بھی کہا کہ اگر ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ تو دگنی قیمت پر فروخت ہو جائے گی چنانچہ ایک ہفتہ ٹھہر کر دگنی قیمت پر بیچ کر مالک کو خط لکھا کہ میں نے ایسا کیا ہے، انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے اس تھوڑے سے نفع کے ساتھ جو دین کی سلامتی کے ساتھ ہو قناعت کی تھی اور تم نے میری بات کی مخالفت کر کے میرے ساتھ زیادتی کی ہے، مجھے دین کے تھوڑے سے نقصان کے مقابلے میں بھی یہ دگنا نفع پسند نہیں، لہٰذا جیسے تمہیں میرا یہ خط پہنچے تم یہ سارا کا سارا مال بصرہ کے فقراء پر صدقہ کر دو، شاید اسکی وجہ سے میں ذخیرہ اندوزی کے گناہ سے بغیر کسی نفع ونقصان کے چھوٹ جاؤں (احیاء العلوم ،آداب الکسب ج۲ ص۷٤ دار احیاء الکتب العربیه مصر)

آجکل مال کی محبت، نفس پروری اور خود غرضی اس حد پہنچ چکی ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں کا خیال رکھے بغیر محض اپنی آسائش تعیّشات اور مال بڑھانے کی غرض سے اشیاء ضرورت کو خرید کر انہیں گوداموں میں ذخیرہ کر لیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں بازار میں ان چیزوں کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور انکی مانگ بڑھ جاتی ہے تو گوداموں سے نکال کر من مانے داموں اسے فروخت کیا جاتا ہے، اسمیں بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں، مل مالکان، دوکاندار حتیٰ کہ بعض اوقات حکومتیں بھی شریک ہوتی ہیں اور سب مل کر اس حرام کام کے ذریعے لوگوں کے خون پسینے کی کمائی کو چند دنوں میں بڑی بے دردی سے سمیٹ لیتے ہیں، جب تک سامان کے حمل ونقل کی سہولیات موجود نہ تھیں اور شہروں وملکوں کا آپس میں رابطہ مشکل تھا اس ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے اسی علاقے اور شہر کے داموں میں فرق پڑتا تھا دوسرے علاقوں کے لوگ ذخیرہ اندوزی سے اتنے متاثر نہ ہوتے تھے لیکن آج کے دور میں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی اور ذرائع نقل وحمل کی فراوانی کی وجہ سے دنیا چونکہ ایک دوسرے کے انتہائی قریب آچکی ہے اس وجہ سے ایک ملک، شہر یا علاقے کی ذخیرہ اندوزی کا اثر فوراً دوسرے ملکوں، شہروں اور علاقوں تک پہنچ جاتا ہے اور وہاں بھی مہنگائی

شروع ہوجاتی ہے چنانچہ اس وقت عالمی سطح پر جب کسی چیز کی قیمتوں کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے تو چند بڑے بڑے سرمایہ دار اور کمپنیاں اس چیز کو ذخیرہ کر لیتی ہیں اور کچھ عرصہ میں جب اسکی طلب بڑھ جاتی ہے تو اپنی مرضی کے مطابق اسکی قیمت بڑھا دیتے ہیں جسکی وجہ سے کروڑوں اور اربوں انسان تنگی اور پریشانی میں مبتلاء ہوجاتے ہیں، اس طرح وہ گناہ جو پہلے علاقائی اور مقامی سطح پر ہوتا تھا اب ملکی اور عالمی سطح پر اس کا ارتکاب کیا جانے لگا ہے، گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں چینی کا بحران ذخیرہ اندوزی کی تازہ مثال ہے جس کے نتیجے میں چند ہی دنوں میں چینی کی قیمت دگنی ہوگئی، پہلے 20، 22 روپے کلو تھی اور بحران کے بعد 40، 45 روپے کلو ہوگئی اور اب 70، 75 روپے کلو تک پہنچ چکی ہے،

اس گناہ کی وجہ سے آخرت کا عذاب تو ہے ہی، دنیا کی معاشی ناہمواریاں اور بے برکتیاں اس کے علاوہ ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے، لہٰذا دنیا میں معاشی ترقی اور غریبوں کے استحصال سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ عالمی، ملکی اور علاقائی سطح پر ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی اور اسکے خاتمے کیلئے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

Idara Ghufran

بسلسلہ : تاریخی معلومات

مولانا طارق محمود

ماہِ شعبان: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات و واقعات

☐...... **ماہِ شعبان ۴۰۱ھ** میں حضرت ابوالفرج عبیداللہ بن عمر بن محمد بن عیسیٰ مصاھفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۳۸۰)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۰۲ھ** میں حضرت ابومحمد اسماعیل بن حسین بن علی بن حسن بن ہارون زاہدی بخاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۶ ص۳۱۰)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۰۴ھ** میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن احمد بن جعفر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ (تاریخِ بغداد ج۸ص۱۵)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۰۵ھ** میں حضرت ابوعلی حسن بن احمد بن محمد بن لیث کشی شیرازی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۱۰، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۴ص۳۰۳)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۰۹ھ** میں حضرت ابوالفرج محمد بن فارس بن محمد بن محمود بن عیسیٰ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۳ص۱۶۳)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۱۰ھ** میں حضرت ابوطاہر محمد بن محمد بن محمش بن علی بن داؤد زیادی شافعی نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۷۸، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۴ص۲۰۰)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۱۲ھ** میں حضرت ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ بن خالد بن سالم بن زاویہ بن سعید بن قبیصہ بن سراق ازدی سلمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۵۲، طبقات الحفاظ ج۱ ص۸۳، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۱۰۴۷، تاریخِ بغداد ج۲ ص۲۴۹، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۴ص۱۴۴)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۱۳ھ** میں حضرت ابوسہل محمود بن عمر بن جعفر بن اسحاق بن محمود بن علی بن بیان بن بہیر اعکبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۱۳ ص۹۵)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۱۴ھ** میں حضرت ابومحمد اسماعیل بن ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن عبدالرحمٰن سرخسی ہروی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۸۱)

☐...... **ماہِ شعبان ۴۱۵ھ** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن فرج بن ابی طاہر دقاق

رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۵۴)

□...... **ماہِ شعبان ۴۱۶ھ** میں حضرت ابوالقاسم غیلان بن محمد بن ابراہیم بن غیلان بن حکم ہمذانی بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۳۳۳)

□...... **ماہِ شعبان ۴۱۷ھ** میں حضرت ابوالحسن علی بن احمد بن ہارون بن عبدالرحمٰن بن یوسف بن محمد بن بسطام معدل نہروانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۳۰)

□...... **ماہِ شعبان ۴۱۹ھ** میں حضرت ابوبکر محمد بن ابوعلی احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر بن حفص ہمدانی ذکوانی اصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۴۳۴)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۰ھ** میں حضرت ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن اسحاق اصبہانی رباطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۶۱)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۲ھ** میں حضرت ابومحمد عبدالوہاب بن علی بن نصر بن احمد بن حسین بن ہارون بن مالک مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۱)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۴ھ** میں حضرت ابوعلی حسین بن خضر بن محمد بخاری حنفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۴۲۶)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۶ھ** میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن حسن بن محمد بن شاذان بن حرب بن مہران صیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۹ ص ۳۹۸)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۷ھ** میں حضرت ابوالفضل علی بن حسین بن احمد بن حسن ہمذانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۵۰۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۱۲۵)

□...... **ماہِ شعبان ۴۲۸ھ** میں حضرت ابوالحسن احمد بن حسن بن عیسیٰ بن عبداللہ مؤدب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۹۳)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۰ھ** میں حضرت ابومنصور محمد بن عیسیٰ بن عبدالعزیز صباح بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۴۰۶)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۱ھ** میں حضرت ابوالقاسم حسن بن حسن بن علی بن منذر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (تاریخِ بغداد ج ۷ ص ۳۰۴)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۲ھ** میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن حسین مؤدب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (تاریخِ بغداد ج ۶ ص ۶۰)

Idara Ghufran

□...... **ماہِ شعبان ۳۳۴ھ** میں حضرت ابوعبداللہ شعیب بن عبداللہ بن منہال مصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۱۳)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۴ھ** میں حضرت ابوالحسن عبدالودود بن عبدالمتکبر بن ہارون بن محمد بن عبیداللہ بن مہتدی باللہ ہاشمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۴۰)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۵ھ** میں حضرت ابوالحسن محمد بن عبیداللہ بن محمد بن اسحاق بن سلیمان بن مخلد بن ابراہیم بن مروان بن حباب بن تمیم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۳۳۸)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۶ھ** میں حضرت ابوحامد احمد بن محمد بن احید بن ماما اصبہانی مامائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۸۰، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۱۱۱۸)

□...... **ماہِ شعبان ۴۳۹ھ** میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن حسن بن علی بن بندار بن بادبن بویہ انماطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۸ ص ۳۵)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۰ھ** ابومحمد حسن بن عیسیٰ بن جعفر مقتدر باللہ بن احمد معتضد باللہ بن ابواحمد موفق بن جعفر متوکل علی اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۷ ص ۳۵۴)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۲ھ** میں حضرت ابوالحسن علی بن عمر بن محمد بن قزوینی بغدادی حربی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۶۱۰، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۵ ص ۲۶۵)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۲ھ** میں حضرت ابوبکر محمد بن محمد بن اسماعیل بن ابراہیم طاہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۳ ص ۲۳۶)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۳ھ** میں حضرت ابوعلی احمد بن عبدالرحمٰن بن ابونصر تمیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۶۴۹)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۴ھ** میں حضرت ابوالقاسم عبدالعزیز بن علی بن احمد بن فضل بن شکر بغدادی ازجی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۱۹)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۵ھ** میں حضرت ابوسعد اسماعیل بن علی بن حسین بن زنجویہ رازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۱۱۲۲)

□...... **ماہِ شعبان ۴۴۸ھ** میں حضرت ابوطاہر محمد بن علی بن احمد بن اسماعیل بن جعفر واعظ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۳ ص ۱۰۵)

Idara Ghufran

بسلسلہ: آدابُ المعاشرت

مفتی محمد رضوان

جانوروں کے حقوق وآداب (قسط ۸)

جانور کی پونچھل وغیرہ کاٹنے کی ممانعت

جانور کے ایسے اعضاء کاٹنے اور جانور کو مثلہ بنانے کی ممانعت تو پہلے گزر چکی ہے کہ جن کی وجہ سے جانور واضح طور پر عیب دار اور اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ احادیث میں جانوروں کے بعض ایسے اعضاء کاٹنے کی ممانعت اور اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے، کہ جن اعضاء کے کاٹنے سے بظاہر جانور کی کوئی تکلیف اور ان اعضاء سے جانور کا کوئی فائدہ وابستہ نظر نہیں آتا، مگر فی الحقیقت ان اعضاء سے جانور کی ضرورت وفائدہ وابستہ ہے۔

چنانچہ حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ سَـمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَقُوْلُ : لَاتَـقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْـخَيْلِ وَلاَ مَعَارِفَهَا وَلَا أَذْنَابَهَا فَإِنَّ أَذْنَابَهَا مَذَابُّهَا وَمَعَارِفَهَا دِفَاؤُهَا وَنَوَاصِيُهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ (ابوداؤد، حديث نمبر ۲۵۴۴. كتاب الجهاد، باب فی كراهة جز نواصی الخيل وأذنابها)

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور گھوڑوں کی گردن کے لمبے لمبے بال اور ان کی دُموں کو نہ کاٹا کرو، کہ ان کی دُم تو ان کی مورچھل (یعنی ان کے مکھی، مچھر اڑانے، اور ہوا کے پنکھے کے قائم مقام) ہیں، اور ان کے گردن کے لمبے بال ان کی چادر (یعنی گرمی، سردی سے حفاظت) کے قائم مقام ہیں، اور ان کی پیشانی کے بالوں میں خیر وابستہ ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جانور ہاتھ پاؤں سے تو مکھی مچھر اڑانے اور ہوا خوری اور گرمی وسردی سے بچنے کا انتظام نہیں کرسکتا، اس لئے یہ اعضاء ہی ان کے لئے ان ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ہیں، لہٰذا تم ان اعضاء کو ناکارہ نہ بنایا کرو۔

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا تَقُصُّوْا نَوَاصِیَ الْخَیْلِ، فَإِنَّ فِیْهَا الْبَرَكَةَ، وَلَا تَجُزُّوْا أَعْرَافَهَا فَإِنَّهُ أَدْفَاؤُهَا، وَلَا تَقُصُّوْا أَذْنَابَهَا فَإِنَّهَا مَذَابُّهَا" (مسند احمد حديث نمبر ۱۷۶۴۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں کو نہ کاٹا کرو، کیونکہ ان میں برکت ہوتی ہے، اور ان کے گردنوں کے بالوں کو بھی نہ کاٹا کرو، کیونکہ وہ ان کی چادر کے قائم مقام ہیں، اور ان کی دُموں کو نہ کاٹا کرو، کیونکہ وہ ان کے لئے مورچھل (یعنی ان کے مکھی، مچھر اڑانے، اور ہوا کے پنکھے کے قائم مقام) ہیں (ترجمہ ختم)

غور فرمائیے کہ حضور ﷺ نے کتنے عجیب وغریب انداز اور عنوان سے جانور کی پونچھ اور اس کے پیشانی کے بالوں کی افادیت کو بیان فرمادیا، جانوروں سے متعلق اس قسم کے حقوق وحی کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے معلوم ہونا ممکن نہیں۔ [1]

اور حضرت ابووہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - اِرْتَبِطُوْا الْخَیْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِیْهَا وَأَعْجَازِهَا .أَوْ قَالَ أَكْفَالِهَا . وَقَلِّدُوْهَا وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْأَوْتَارَ (ابو داؤد، حديث نمبر ۲۵۵۵، كتاب الجهاد، باب إكرام الخيل وارتباطها والمسح على أكفالها، السنن الكبرىٰ للبيهقي، حديث نمبر ۱۳۲۸۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کو اپنے یہاں باندھا کرو، اور ان کی پیشانیوں پر اور ان کی کمر کے پیچھے (شفقت ومحبت سے) ہاتھ پھیرا کرو، اور ان کے گلے میں پٹہ ڈالا کرو، تانت مت باندھا کرو (ترجمہ ختم)

---

[1] لا تقصوا من القص وهو القطع أى لا تجزوا نواصى الخيل أى شعر مقدم رأسها ولا معارفها قال القاضى أى شعور عنقها جمع عرف على غير قياس وقيل هى جمع معرفة وهى المحل الذى ينبت عليها العرف فأطلقت على الأعراف مجازا ولا أذنابها فإن أذنابها مذابها أى مراوحها تذب بها الهوام عن أنفسها ومعارفها بالنصب عطف على أذنابها وبالرفع على أنه مبتدأ خبره دفاؤها بكسر الدال أى كساؤها الذى تدفأ به ونواصيها بالوجهين معقود فيها الخير (مرقاة، كتاب الجهاد، باب اعداد آلة الجهاد)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو آرام اور راحت پہنچانی چاہیئے، اور اس کی راحت اور آرام کی چیزوں میں کمی نہیں کرنی چاہیئے۔

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ وَالنَّیْلُ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَأَھْلُھَا مُعَانُوْنَ عَلَیْھَا، فَامْسَحُوْا بِنَوَاصِیْھَا، وَادْعُوْا لَھَا بِالْبَرَکَۃِ، وَقَلِّدُوْھَا، وَلَا تُقَلِّدُوْھَا بِالْأَوْتَارِ "(مسند احمد حدیث نمبر ۱۴۷۹۱، واللفظ لہٗ، مسند الشامیین للطبرانی حدیث نمبر ۷۳۸) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی میں خیر اور کامیابی قیامت کے دن تک وابستہ کردی گئی ہے، اور گھوڑے رکھنے والوں کی ان کے ذریعہ سے مدد کی جاتی ہے، تو تم ان کی پیشانیوں پر (محبت و پیار سے) ہاتھ پھیرا کرو، اور ان کے لئے برکت کی دعا کیا کرو، اور ان کے گلے میں پٹہ ڈالا کرو، تانت مت باندھا کرو (ترجمہ ختم)

گلے میں تانت باندھنے سے اس لئے منع کیا گیا تاکہ تانت سے ان کا گلا نہ گھٹے، اور کھال وغیرہ نہ کٹے، جلد متاثر نہ ہو، اور پیشانی اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ جانور کے ساتھ محبت و شفقت کا اظہار ہو، اور جانور کو مالک کے اس طرزِ عمل سے خوشی حاصل ہو۔

پس جو لوگ جانور کی دُم یا پیشانی کے بال کاٹ دیتے ہیں، اور پیٹھ و پیشانی پر محبت و پیار سے ہاتھ پھیرنے کے بجائے ڈنڈے برساتے ہیں، وہ سخت بے رحم لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے کی کس منہ سے توقع اور امید رکھیں گے۔

جانور کی بے جا پٹائی کرنے اور ڈرانے کی ممانعت

شریعت کی پاکیزہ تعلیمات میں سے ایک تعلیم جانور کے متعلق یہ ہے کہ جو جانور اپنے استعمال میں ہیں، ان کو معمولی معمولی باتوں پر ڈرانے، دھمکانے، اور مارنے پیٹنے سے بھی پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ چیزیں بھی جانور کی ذہنی وجسمانی اذیت وتکلیف کا باعث ہیں۔

---

[۱] قال الھیثمی:
رواہ أحمد والطبرانی فی الاوسط باختصار ورجال أحمد ثقات(مجمع الزوائد ج۵ص ۲۶۱)

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا وَصَوْتًا لِلْإِبِلِ فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيْضَاعِ (بخارى، حديث نمبر ١٥٥٩، كتاب الحج، باب أمر النبى ﷺ بالسكينة عند الإفاضة وإشارته إليهم بالسوط)

ترجمہ: وہ نبی ﷺ کے ساتھ عرفہ کے دن چل رہے تھے، کہ آپ ﷺ نے پیچھے سے اونٹوں کو سخت ڈرانے اور مارنے اور اونٹ کے چیخنے کی آواز سنی، تو آپ ﷺ نے (پیچھے مڑ کر) لوگوں کی طرف اپنے کوڑے سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ اے لوگو! اطمینان سے کام لو، کیونکہ (جانوروں کو تیز) دوڑانا نیکی نہیں ہے (ترجمہ ختم)

جانور کی پٹائی کرنے اور اس کو ڈرانے سے، ظاہر ہے کہ جانور کو تکلیف ہوتی ہے، اور جانور کو بے جا تکلیف پہنچانے کی ممانعت بے شمار شرعی دلائل سے ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو بلاضرورت ڈرانا دھمکانا، اور مارنا اور ضرورت کے وقت بھی شدید مارنا اور بلاضرورت بلکہ فخر وتفاخر کے طور پر ان کو تیز دوڑا کر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر کے جانور کو پریشان کرنا منع ہے۔ پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے، اس کو تادیب وتربیت کے لئے بقدرِ ضرورت مارنے کی معتدل سزا جائز ہے (معارف القرآن ج۶ ص ۵۷۱)

مگر افسوس کہ آج شریعت کی اس ہدایت کو بالائے طاق رکھ کر جانوروں کو بلاوجہ ڈرانا، دھمکانا، بلکہ ان کی ظالمانہ وبے دردانہ طریقہ پر مار پٹائی کرنا عام ہے۔

بالخصوص جو لوگ جانوروں کے ذریعہ سے سواری اور بوجھ وغیرہ اٹھانے کا کام لیتے ہیں، یا مختلف کھیتی باڑی کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں، وہ اپنی مرضی ومنشاء کے خلاف کام کرنے اور جانور کی طرف سے کچھ سستی محسوس ہونے پر موٹے موٹے ڈنڈوں سے جانوروں کی پٹائی کر کے ان کو شدید تکلیف واذیت میں مبتلا کرتے اور ان کو دکھ پہنچاتے ہیں، خواہ وہ جانور بے چارہ مریض وبیمار ہو یا کمزور اور کسی دکھ ودرد میں مبتلا ہو، مگر مارنے والے ظالموں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔

ان بے رحم اور ظالم لوگوں کو اللہ کا خوف کرنا چاہئے، اور معصوم و بے زبان جانوروں کی خاموش آہ و بکا اور بددعا کے وبال اور آخرت کے مؤاخذہ سے بچنا چاہئے۔ [۱]

[۱] وجاز ركوب الثور وتحميله والكراب على الحمير بلا جهد وضرب، إذا ظلم الدابة أشد من الذمى، وظلم الذمى أشد من المسلم(درمختار، كتاب الحظر والاباحة)

قوله (وجاز ركوب الثور وتحميله إلخ) وقيل لا يفعل لأن كل نوع من الأنعام خلق لعمل فلا يغير أمر الله تعالى . قوله (بلا جهد وضرب) أى لا يحملها فوق طاقتها ولا يضرب وجهها ولا رأسها إجماعا ولا تضرب أصلا عند أبى حنيفة. وإن كانت ملكه قال رسول الله تضرب الدواب على النفار ولا تضرب على العثار لأن العثار من سوء إمساك الركاب اللجام والنفار من سوء خلق الدابة فتؤدى على ذلك كذا فى فصول العلامى قوله (أشد من الذمى) لأنه لا ناصر له إلا الله تعالى وورد اشتد غضب الله تعالى على من ظلم من لا يجد ناصرا إلا الله تعالى ط قوله (أشد من المسلم) لأنه يشدد الطلب على ظالمه ليكون معه فى عذابه ولا مانع من طرح سيئات غير الكفر على ظالمه فيعذب بها بدله ذكره بعضهم ط(ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع)

(ماخوذ از ''جانوروں کے حقوق وآداب'' ص ۷۸ تا ۸۲، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

(اضافہ واصلاح شدہ پانچواں ایڈیشن) صفحات:584

ماہِ رمضان کے فضائل واحکام

قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں رمضان کے مہینہ کے فضائل واحکام، چاند کے فضائل واحکام، روزے کے فضائل واحکام، سحری کے فضائل واحکام، افطاری کے فضائل واحکام، تراویح کے فضائل واحکام، شبِ قدر کے فضائل واحکام، اعتکاف کے فضائل واحکام، اور ان سے متعلق رائج منکرات وبدعات

جملہ موضوعات پر مکمل؛ مدلل اور سیر حاصل بحث

نَومَولُود کے احکام واسلامی نام

(مع متعلّقہ فضائل)

لڑکے اور لڑکی کی ولادت وکفالت اور پرورش کے فضائل واحکام، نومولود کے کان میں اذان دینے، نومولود کی تحنیک کرنے، نومولود کا نام تجویز کرنے، نومولود کے عقیقہ اور ختنہ وغیرہ کے مدلّل ومفصّل احکام اور متعلّقہ فضائل، نام تجویز کرنے سے متعلق اسلامی ہدایات واحکامات، اور اسلامی ناموں کی فہرست

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

علم کے مینار

مفتی محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں و کاوشوں پر مشتمل سلسلہ

سرگذشت عہدِ گُل (قسط ۳۵)

(سوانح حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم)

شریعت کے اصول وفروع کا غیر معمولی استحضار

آپ کی رفاقت و معیت سے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فقہی مسائل کا استحضار اور اس باب میں آپ کو ملکہ یادداشت غیر معمولی اور متاثر کن حد تک عطا فرمایا ہے۔

یہی کچھ حال شریعت کے مقاصد اور اصول و قواعد سے آگاہی اور ان کے ساتھ آپ کی طبعی مناسبت کا بھی ہے۔

جس طرح ہر فن کے ماہرین اور باکمال لوگوں کو اس فن کے ساتھ ایک فطری و طبعی مناسبت ہوتی ہے، اور خداداد ملکہ واستعداد اس باب میں فیّاض ازل کا دستِ قدرت ان کو عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اور جس کی روشنی میں وہ علم وفن یا ہنر اپنے ان باکمال حاملین کے لئے ایک بدیہی امر بن جاتا ہے، جس کے سب گوشے ان کے پیشِ نظر رہتے ہیں، اور ایک نگاہ میں ایک اجمالی توجہ میں اس فن کے متعلق کسی بھی امر کی گہرائیاں اور پنہائیاں ان پر روشن ہو جاتی ہیں، اور وہبی ذوق کی وجہ سے اپنے اس فہم وادراک پر ان کو یقین وطمانیتِ قلب اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔

یہ حضرات اس فن کے کسی مسئلہ پر اگر دلائل بھی قائم کرتے ہیں، تو وہ اپنے یقین و تسکین کے لئے نہیں، بلکہ دوسروں کی تفہیم و تسکین کے لئے کرتے ہیں۔ آپ کی مجالسِ علم، مجالسِ وعظ میں (احکامِ شرع کے باب میں) آپ کی اسی قسم کی شان سامنے آتی ہے، تفقہ اور رسوخِ علمی کی اس شان کے ساتھ ساتھ حکمت وبصیرت سے بھی آپ کو حظِ وافر عطا ہوا ہے (مَنْ أَخذَہُ أَخذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ)

چنانچہ آپ کے ارشادات وملفوظات میں، آپ کے مواعظ وخطبات میں، آپ کی تحریروں، اور شرعی مسائل کے جوابات میں مخاطبین وسائلین اور عامۃ المسلمین کے احوال ونفسیات کی بھرپور رعایت اور عکاسی ہوتی ہیں، ایک ماہر ونبّاض، حاذق طبیب کی طرح احوال واشخاص کی نبض شناسی کے ساتھ آپ

Idara Ghufran

کے علمی فیوضات نشر ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت سے اتحادِ نسبت

ذوق ومزاج کی باقی بیشتر چیزوں کی طرح وعظ وارشاد اور افاضہ واستفاضہ کے اس مخصوص میدان میں بھی آپ کو حضرت حکیم الامت، مجددِ ملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ نسبت اور طرز وطریقہ کی موافقت ومناسبت حاصل ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی شان میں شیخ نجم الدین اسحاق کے مشہور قصیدہ بائیہ میں دیگر مناقب کے ساتھ ذیل کے منقبتی اشعار بھی آ گئے ہیں۔

بندہ یہ اشعار اولاً حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اور پھر آپ کے فیضِ نسبت سے حظِ وافر کے حامل حضرت الاستاد سیدی مفتی صاحب موصوف (صاحبِ سوانح) دامت برکاتہم کی خدمت میں مستعاراً نذر کرتا ہے، اور آپ کو ان مناقب کا حامل یقین کرتا ہے۔

وَقَدُ عَلِمَ الرَّحُمٰنُ اَنَّ زَمَانَنَا تَشُعَبُ فِيُهِ الرَّأْیُ اَیُّ تَشُعَبِ
فَجَاءَ بِحِبرٍ عَالِمٍ مِنُ سُرَّاتِهِمُ لِسَبُعِ مِئِيُنِ بَعُدَ هِجُرَةِ يَثُرَبَ
يُقِيُمُ قَنَاةَ الدِّيُنِ بَعُدَ اِعُوَجِهَا يُنُقِذُهَا مِنُ قَبُضَةِ الُمُتَعَصِّبِ
وَجَاهَدَ فِیُ ذَاتِ الُاِلٰهِ بِنَفُسِهٖ بِالُمَالِ وَالُاَهُلِيُنَ وَالُاُمِّ وَالُاَبِ
وَمَنُ رَامَ حِبُرًا دُوُنَهٗ الُيُوُمَ فِی الُوَرٰی فَذٰلِکَ الَّذِیُ قَدُ رَامَ عَنُقَاءُ مَغُرِب
عَلِيُمٌ بِاَدُوَاءِ النُّفُوُسِ يَسُوُسُهَا بِحِكُمَتِهٖ فِعُلَ الطَّبِيُبِ الُمُجَرِّبِ [1]

آخری شعر میں طبیبِ حاذق کی طرح نفوسِ انسانی کے امراض کی تشخیص اور حسبِ حال علاج کی کامل مہارت واستعداد کے حامل ہونے کا ذکر ہے۔ (جاری ہے............)

---

[1] ترجمہ: اور اللہ جانتا ہے کہ ہمارا یہ زمانہ افکار وآراء (خودرائی اور تفرق کا فتنہ) کے تفرق وانتشار میں کن کن گھاٹیوں میں سرگرداں ہے، پس زمانہ لے آیا قوم کے منتخب روزگار لوگوں میں سے ایک محقق عالم کو سن ہجری کی سات صدیاں گزرنے پر (اور ہمارے ممدوحین کو اس کا قریب دوگنا عرصہ گزرنے پر) تاکہ وہ دین کی قناتوں (ستونوں) کو استوار کرے ان کے ٹیڑھا ہو چکنے کے بعد۔
اور دین کو متعصبین کے پنجہ ونرغہ سے خلاصی دلائے، اور وہ جہاد کرتا ہے اللہ کے معاملہ میں اپنے جان، مال، اہل وعیال اور ماں باپ کے ذریعہ سے، اور اس کے علاوہ کس حبر عالم کے آگے آج زمانہ رام ہو چکا ہے؟
پس یہ ہے وہ جس کے آگے آج مغرب کی گردنیں جھک گئی ہیں، نفوس کے امراض وعیوب سے خوب آگاہ ہے، اور ان کا معالجہ کرتا ہے اپنی حکمت وبصیرت کے ساتھ مانند حاذق ومجرب طبیب کے۔

Idara Ghufran

تذکرۂ اولیاء

مفتی محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تذکرہ مولانا رومی کا (قسط ۱)

نام ونسب اور وطن

آپ کا نام محمد، لقب جلال الدین ہے، مولوی معنوی، مولائے روم، یا مولانائے رومی کے عرف سے مشہور ہیں، والد کا نام شیخ بہاء الدین بن حسین بلخی ہے، محمد خوارزم شاہ (متوفی ۶۱۷ھ) آپ کے نانا تھے۔

سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

۶۰۴ھ میں بلخ میں (موجودہ افغانستان کا ایک صوبہ) پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، آپ کے والد نے جو خود بہت بڑے صاحبِ نسبت بزرگ اور شیخ تھے، اپنے خاص شاگرد اور مرید مولانا برہان الدین کو مزید تعلیم کے لئے مقرر کیا، انہی سے آپ نے زیادہ تر تعلیم پائی، کسبِ فیض کیا، اوران کے زیرِ تربیت رہے، مولائے روم کی عمر جب چھ سال تھی، تو آپ کے والد نے ۶۱۰ھ میں بلخ سے ترک وطن کر کے نیشاپور (ایران) کو وطن بنایا۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی، اوراسی دوران اپنے والد کے ہمراہ قونیہ (ترکی) منتقل ہوئے، پھر مدت العمر یہیں رہے (آپ کا مزار بھی قونیہ میں ہے)

کسبِ علوم

والد کے انتقال کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں مزید علمی پیاس نے شام کے سفر پر آمادہ کیا، جو علوم وفنون کا مرکز تھا، اوران سربرآوردہ باکمال اور یگانہ روزگار ہستیوں سے ہمیشہ معمور رہا ہے، جن کے مجالسِ علم کے غلغلے اور تعلیمی حلقوں کے چرچے چہار دانگ عالم میں گونجتے رہے ہیں، شام کے شہروں حلب اور دمشق میں آپ نے تحصیلِ علوم کے لئے قیام کیا، دمشق میں آپ کا تعلیمی عرصہ سات سال پر محیط ہے، علمی کمالات میں آپ اونچے سے اونچے مراتب تک پہنچے۔

تمام فقہی مذاہب سے واقفیت پائی، علم العقائد والکلام میں رسوخ حاصل کیا، فلسفہ وحکمت اور تصوف میں مہارت وکمال کو پہنچے، والد کی وفات کے بعد سید برہان الدین جو آپ کے والد کے شاگرد وخلیفہ اور آپ کے استاد بھی تھے، ان کی نگرانی ورہنمائی میں سالہا سال تک تصوف، تزکیہ وسلوک کی منزلیں طے

Idara Ghufran

کیں، اس کے بعد درس وتدریس اور اشاعتِ علوم میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

علمی کمال

علوم وفنون کے جواہر سے آپ کا سینہ مالا مال اور دل ودماغ نہال تھے، علمی دنیا میں آپ کے یہ جوہر خوب کھلے، آپ آسمانِ علم وفیض پر آفتاب بن کے چمکے، دنیائے علم میں اس تاجدارِ علم کو وہ حسنِ قبولیت ومقبولیت ملی، جو کم ہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، جب نکلتے تھے، تو شاہی پروٹوکول واعزاز کے ساتھ نکلتے، آپ کے جلو میں خدام وشاگردوں کے جتھے ہوتے، بڑا ہجوم ہوتا، خلقِ خدا دست بوسی کے لئے دیوانہ وار بڑھتی، ایک صاحبِ دل نے رومی کی اس شان کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ایک زمانہ مولوی رومی کا تھا		صدوقار وشوکت وشاہی کا تھا،
ایک عزت نسبت خوارزم شاہ		دوسری صدعلم وفن سے ناز وجاہ
جب کہیں ان کا سفر ہوتا کبھی		آتی فوراً خاص شاہی پالکی
لشکر وخدام وشاگرداں سبھی		احتراماً ساتھ ہولیتے سبھی
دست بوسی پائے بوسی کا ہجوم		ہر طرف سے بس مچی ہوتی تھی دھوم

یہ شان جلال الدین رومی کی اس وقت تک رہی، جب تک شمس تبریزی کے ہتھے نہیں چڑھے تھے، اور شمس تبریزی کے سینے کی آگ اور عشقِ حقیقی کے شعلے ابھی آپ تک نہیں پہنچے تھے، شمس تبریزی نے جب آپ کو شکار کر کے مولائے رومی بنا دیا، اور عشقِ حقیقی کا شعلہ جوالہ بنا دیا، تو پھر اس آگ میں آپ خود بھی جلے اور ایک دنیا کو جلایا، مثنوی معنوی کی صورت میں اس آگ کے شعلے آپ کے سینے سے بلند ہوئے، اور جنگل کی آگ کی طرح شرق وغرب میں پھیل گئے۔

آج رومی گر گیا غش کھا کے آہ		نذرِ عشق حق ہوئی سب عز وجاہ
کیا نظر تھی شمس تبریزی کی آہ		مولوی رومی ہوئے سردارِ راہ
پیر رومی ہوش میں جب آ گئے		شمس تبریزی کے پیچھے چل پڑے
عشق کب رکھتا ہے فانی سلطنت		خاک میں ملتی ہے فانی تمکنت
عشق کی عزت ہے عزت دائمی		عشق کی لذت ہے لذت سرمدی

(جاری ہے.........)

توبہ کے دروازہ کی وسعت اور قیامت سے پہلے اس کی بندش

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے توبہ (کا اوپر جانے) کے لیے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے، جس کی چوڑائی (درمیانی مسافت) ستّر سال (میں طے ہوتی) ہے، یہ دروازہ بند نہ ہوگا، جب تک سورج اس (مغرب) کی جانب سے طلوع نہ کرے، اور یہ مراد ہے اس آیت کی ''(یَوْمَ یَأْتِی بَعْضُ آیَاتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا إِیْمَانُھَا) ''یعنی جس دن تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا'' (ترمذی، حدیث نمبر ۳۵۳۶؛ مسند احمد؛ ابنِ ماجہ؛ سنن کبریٰ نسائی)

اور حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بلاشبہ مغرب کی جانب البتہ ایک دروازہ ہے، جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے توبہ کے چڑھنے کے لیے کھلا رکھا ہے، اس دن سے جب سے آسمان وزمین کی تخلیق ہوئی، پس اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسے بند نہ فرمائیں گے، جب تک سورج وہاں سے طلوع نہ کرے (شعب الایمان، حدیث نمبر ۶۶۷۴؛ ابنِ حبان؛ مسند الحمیدی)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سات بند ہیں، ایک دروازہ توبہ کے اوپر چڑھنے کے لیے کھلا ہوا ہے (یہ کھلا رہے گا) یہاں تک کہ سورج اس کی جانب سے طلوع نہ کرے (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۴۸۸۲؛ معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر ۱۰۳۲۸)

دابّۃُ الارض کے خروج کی تفصیل اور لوگوں کے احوال

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بلاشبہ دابّۃُ الارض کا بعض دیہی علاقوں میں تین دفعہ ظہور ہوگا، پھر وہ غائب ومستور ہوجائے گا، پھراس کا خروج کسی بستی (قصبہ وغیرہ) میں ہوگا، یہاں تک کہ لوگ خوف زدہ ہوجائیں گے، اور یہاں تک کہ حکام وامراء اس میں خونریزیاں شروع کردیں گے، پھر وہ (دابّۃُ الارض) چھپ جائے گا۔

(حضرت حذیفہ نے) فرمایا: کہ اس دوران کہ لوگ سب سے بڑی سب سے افضل واشرف مسجد کے پاس جمع ہوں گے (راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا یا کہا کہ اس سے مراد مسجدِ حرام بیتُ اللہ شریف ہے، لیکن حضرت حذیفہ نے مسجدِ حرام کا نام نہیں لیا، صرف افضل واعظم مسجد کہا) کہ اچانک زمین اوپر تلے ہونے لگے گی (شائد زلزلے سے حرکت کرنے لگے گی) اورلوگ بھاگ کھڑے ہوں گے، اور عام مسلمان ہی باقی رہ جائیں گے، جو کہیں گے کہ اللہ کے حکم وفیصلے سے اب ہمیں کوئی چیز نہیں بچاسکتی، پس وہ نکل کھڑے ہوں گے، اس حال میں کہ ان کے چہرے (نور ایمان واطاعت سے) جگمگانے لگیں گے، جیسے کہ روشن ستارے ہوتے ہیں، اور وہ دابۃُ الارض لوگوں کا پیچھا کرے گا، اس حال میں کہ لوگ اپنے مشغلوں اور دنیوی سلسلوں میں مگن ہوں گے کہ کوئی زمین وجائیداد میں پڑوسی، مال واسباب (تجارت وغیرہ) میں شریک ومشغول ہوں گے، اور اسلام میں ایک دوسرے کے شریک ومصاحب ہوں گے

(مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۸۶۲۸، وقال الحاکم: ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین؛ اخبار مکۃ للفاکھی، حدیث نمبر ۲۳۴۴؛ الفتن لنعیم بن حماد باختلاف بسند آخر)

Idara Ghufran

دابّۃ الارض کا خروج اور لوگوں کو نشان زد کرنا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا:

تَـخْـرُجُ الدَّابَّةُ فَتَسِمُ النَّاسَ عَلَى خَرَاطِيمِهِمْ، ثُمَّ يَغْمُرُونَ فِيكُمْ حَتَّى يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ الْبَعِيرَ فَيَقُولُ :مِمَّنْ اشْتَرَيْتَهُ ؟

فَيَقُولُ :اشْتَـرَيْتُـهُ مِنْ أَحَدِ الْمُخَطَّمِينَ (مسند احمد، حديث نمبر، ٢٢٣٠٨؛ اخبار اصبهان، حديث نمبر ٤٠٥٣٠)

ترجمہ: دابّۃ الارض ظاہر ہوگا تو لوگوں کے ناک پر نشان لگائے گا، پھر وہ (نشان زدہ لوگ) تم میں (اپنے دنیوی دھندوں میں) مَست ومگن ہوجائیں گے (یہ احساس ہی نہ رہے گا کہ کوئی عجیب واقعہ ہمارے ساتھ ہوا تھا)

یہاں تک کہ ایک آدمی اونٹ خریدے گا، تو پوچھے گا کس سے تونے خریدا ہے، دوسرا کہے گا، مخطمین میں سے ایک سے (یعنی دابّۃ الارض کے ناک پر نشان زد کیے ہوئے ایک شخص سے)

(ترجمہ ختم)

فائدہ: قیامت کی بڑی اور قریبی علامتوں میں سے ایک علامت دابۃ الارض (یعنی زمین کے جانور) کا نکلنا ہے، جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہے۔

مغرب سے سورج طلوع ہونے والے واقعہ کے کچھ روز بعد مکہ مکرمہ میں واقع صفا پہاڑ پھٹے گا، اوراس سے ایک عجیب وغریب جانور نکلے گا اور بڑی تیزی کے ساتھ ساری زمین میں پھر جائے گا، اور لوگوں کو مخاطب کرکے کہے گا، اے کافر! اے مؤمن!۔

دابّۃُ الارض کے نکلنے کی جگہ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ألا أريكم المكان الذى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن دابة الأرض تخرج منه فضرب بعصاه الشق الذى فى الصفا ، فقال : وإنها ذات ريش وزغب ، وإنه ليخرج ثلثها حضر الفرس الجواد ثلاثة أيام وثلاث ليال ، وإنها لتمر عليهم ، وإنهم ليفرون منها إلى المساجد ، فتقول لهم :أترون المساجد تنجيكم منى ؟ فتخطمهم يساقون فى الأسواق وتقول :يا كافر يا مؤمن (مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر ۵۵۷۲، واللفظ لہٗ؛ المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر)

ترجمہ: سنو تو! کیا میں تمہیں وہ جگہ دِکھاؤں کہ جہاں سے دابّۃُ الارض کے نکلنے کی اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے، پس آپ نے اپنی چھڑی سے کوہِ صفا کی ایک دراڑ پر ضرب لگائی (اس کے نکلنے کی جگہ کی طرف اشارہ وتعیین مقام کرتے ہوئے) پھر فرمایا وہ (دابّۃُ الارض) گنجان بالوں والا ہوگا (اس کے عجیب الخلقت ہونے کی طرف اشارہ ہے، ان بالوں سے مراد شاید چہرے پابال ہونا ہو، یا پورے جسم پر بھی عجیب وغریب طریقے سے بال ہوں) یقیناً وہ خروج کرے گا، تیز رفتار اصل گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے تین دن تین رات، اور وہ لوگوں پر سے گزرے گا، تو لوگ اس سے بھاگیں گے، مسجدوں میں پناہ لیں گے، تو وہ لوگوں سے کہے گا، کیا تم سمجھتے ہو کہ مسجد میں پناہ لینا تمہیں مجھ سے بچالے گا، پس وہ ان کے ناک پر نشان لگائے گا، لوگ اس سے بازاروں میں (آبادیوں میں) ہنکائے جارہے ہوں گے، اور وہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہے گا، اے کافر! اے مؤمن!۔

(ترجمہ ختم)

پیارے بچو! مفتی محمد رضوان

دو کام چور دوست

کسی زمانے میں دو کام چور اور انتہائی سست انسان ایک شہر میں رہتے تھے، دونوں کی عادت ایک جیسی ہونے کی وجہ سے آپس میں دوستی بھی تھی، ہر جگہ ایک ساتھ رہتے سہتے تھے، اور ہر کام میں سُستی کیا کرتے تھے، اور سُستی کرنے میں انتہاء سے کام لیا کرتے تھے، اور اپنا ہر چھوٹا چھوٹا کام ایک دوسرے پر ڈالا کرتے تھے......اور ایسے کام چور آدمی کو کاہل اور ایسی کام چوری اور سستی کرنے کو کاہلی کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ یہ دونوں کام چور تنگ آ کر ہسپتال میں پہنچ گئے، اور جا کر کہا کہ ہم سخت بیمار ہیں اپنا علاج کرانا چاہتے ہیں؟ ڈاکٹروں نے معلوم کیا کہ تمہیں کیا بیماری ہے؟ ان کام چوروں اور کاہلوں نے کہا کہ یہ بیماری ہے کہ ہم اپنا کوئی کام نہیں کر سکتے......ڈاکٹروں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟

کام چوروں اور کاہلوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہمیں پتہ ہوتی تو ہم اپنا علاج خود ہی نہ کر لیتے، تمہارے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی؟ آخر بحث و مباحثہ کے بعد ڈاکٹروں نے ان دونوں کو ہسپتال میں داخل کر لیا......اور انہیں ہسپتال میں ایک ساتھ دو بستر دیدیئے گئے، جس پر ساتھ ساتھ دونوں کام چور لیٹ گئے......ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہسپتال میں کوئی بیمار صحت یاب ہوا تو اس نے اس کی خوشی میں مریضوں میں مٹھائی تقسیم کرائی۔

جب مٹھائی ان کام چوروں کے پاس پہنچی تو انہوں نے مٹائی دینے والے سے کہا کہ وہ ان کے سینے پر مٹھائی رکھ دے......مٹھائی تقسیم کرنے والے نے دونوں کا حصہ ان کے سینے پر رکھ دیا اور چلا گیا۔

اب یہ دونوں کام چور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یار یہ مٹھائی میرے منہ میں ڈال دو۔

لیکن جواب میں ہر کام چور دوسرے سے کہتا کہ پہلے تم میرے منہ میں ڈالو، پھر میں تمہارے منہ میں ڈالوں گا......آخر ان میں سے کسی نے بھی دوسرے کے منہ میں مٹھائی نہ ڈالی اور دونوں کام چور اسی طرح پڑے رہے، اتنے میں باہر سے ایک کتا اندر آیا، اس نے دیکھا کہ دونوں آدمی حس و حرکت نہیں کر رہے اور سوئے ہوئے ہیں، اس نے بڑے آرام سے آ کر ہر ایک کے سینے سے مٹھائی اٹھائی اور کھا گیا......پھر تھوڑی دیر بعد کتا آیا اور کام چوروں کی حس و حرکت نہ کرنے سے تو وہ پہلے سے ہی مطمئن تھا، اس لیے اپنی

عادت کی وجہ سے آرام سے ایک کام چور کے منہ پر آکر پیشاب کرنے لگا، اس نے دوسرے کام چور سے کہا کہ یار اس کتے کو ہٹا دو۔

دوسرے نے کہا کہ میں کیوں ہٹاؤں آپ نے کون سا میرے منہ میں مٹھائی ڈالی تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد یہ کتا دوسرے کام چور کے اوپر جا کر پیشاب کرنے لگا، اس نے بھی دوسرے کام چور سے کہا کہ یار اس کتے کو بھگاؤ، دوسرے کام چور نے کہا کہ میں کیوں بھگاؤں آپ نے کونسا میری مرتبہ کتے کو بھگایا تھا۔

اور اس طرح دونوں کام چور اپنی سستی کی وجہ سے کتے کے پیشاب سے نہا لیے۔

جب ہسپتال کے ڈاکٹروں کو معلوم ہوا کہ یہ تو انتہائی کام چور لوگ ہیں، اور یہ تو یہاں رہ کر بھی دوسرے لوگوں کو کام چور بنا دیں گے، اور کتوں کی گندگی بھی ہمارے سے صاف کرائیں گے تو انہوں نے ان کام چوروں کو وہاں سے دھکے دے کر بھگا دیا، اور کہا کہ تم لوگوں کو کوئی بیماری نہیں ہے، تم اچھے خاصے ہو کر کام چور اور سست بنے ہوئے ہو، اور تمہارا علاج ہمارے پاس نہیں ہے، اور تم خود ہی سُستی چھوڑ کر اپنا بہتر علاج کر سکتے ہو......اور اس طرح ان کام چوروں کو بے عزت ہو کر وہاں سے نکلنا پڑا۔

پیارے بچو! کام چوری اور سستی بہت بُری چیز ہے، اس کی وجہ سے نہ انسان کا کوئی کام ہوتا ہے اور نہ ہی عزت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس کا ڈاکٹروں کے پاس کوئی علاج ہے۔

کام چوری اور سستی کا اصل علاج تو خود انسان کے اپنے پاس ہی ہوتا ہے اور کام چوری اور سُستی کا وہ علاج چُستی ہے......یعنی جب بھی سُستی آئے تو انسان اس کو چھوڑے اور فوراً چستی کر کے اپنا ضروری کام کرے (ماخوذ از ''پیارے بچو'' صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

Idara Ghufran

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

رمضان کی عبادات

معزز خواتین! رمضان شریف کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، جس کی وجہ سے حدیث شریف میں رمضان کو اللہ تعالیٰ کا مہینہ اور تمام مہینوں کا سردار مہینہ قرار دیا گیا ہے، اس مہینے کی رحمتوں سے مستفید ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور بندیوں کے لئے بعض خاص احکام صرف اسی مہینے کے لئے نازل فرمائے ہیں، وہ احکام جس طرح مَردوں کے لئے ہیں، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہیں، اس لئے تمام مسلمان خواتین کو چاہئے کہ وہ خوشی خوشی ان احکام پر عمل کریں۔

بہت سے احکامِ خداوندی تو ایسے ہیں، جن پر عمل کرنا رمضان کے مہینے کے علاوہ بھی ضروری ہے، اور رمضان کے مہینے میں بھی ضروری ہے، جیسے عمومی فرائض وواجبات (مثلاً فرض نمازیں پڑھنا، پردہ کرنا، وعدے کا پورا کرنا، دوسروں کے حقوقِ واجبہ ادا کرنا وغیرہ) اور ہر طرح کے حرام اور گناہ کے کاموں سے بچنا کہ یہ رمضان کے علاوہ بھی ضروری ہیں، اور رمضان میں بھی ضروری ہیں۔

اور بعض احکام خاص رمضان کے مہینے میں ضروری ہیں، رمضان کے علاوہ ضروری نہیں، جیسے روزہ، تراویح وغیرہ۔

رمضان کے خصوصی احکام

(۱)......نمازِ تراویح: رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی جو سب سے پہلا حکم مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ نمازِ تراویح ہے، جس کا وقت نمازِ عشاء کے فرضوں اور سنتوں کے بعد شروع ہوتا ہے، اور صبح صادق تک رہتا ہے۔

نمازِ تراویح کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بیس رکعتیں پڑھنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور چالیس سجدے کرنے کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔

تراویح کی نماز رمضان کی پہلی رات سے لے کر آخری رات تک ہر رات میں سنتِ مؤکدہ ہے، کسی

معقول عذر کے بغیر تراویح چھوڑ دینا گناہ ہے، اور سخت محرومی ہے۔

بہت ساری خواتین یا تو بیس رکعت پوری نہیں پڑھتیں، بلکہ آٹھ پڑھ لیتی ہیں، اور اسی کو سنت سمجھتی ہیں، اور بیس رکعت تراویح کو بدعت کہتی ہیں، یا کبھی پڑھتی ہیں اور کبھی چھوڑ دیتی ہیں، یہ سب باتیں قابلِ اصلاح ہیں، یادرکھیں کہ تراویح کی بیس رکعت پڑھنا سب صحابۂ کرام اور چاروں اماموں سمیت پوری امت کے علماء کے اتفاق سے سنت ہے، بیس رکعت سے کم رکعت کے سنت ہونے کا کوئی امام قائل نہیں۔

اسی طرح بہت ساری خواتین مسجد میں یا کسی گھر میں جمع ہوکر کسی مرد یا کسی خاتون کی اقتداء میں تراویح پڑھنے کا اہتمام کرتی ہیں، اور اس کو باعثِ ثواب سمجھتی ہیں، یادرکھیں عورت کو اس طرح جماعت کے ساتھ نہ فرض نماز پڑھنے کا حکم ہے، اور نہ تراویح کی نماز کا، بلکہ ایسا کرنا درست نہیں، اس طرزِ عمل میں اور بھی بہت ساری خرابیاں ہیں، لہٰذا ہر خاتون کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر میں ہی تراویح کی نماز ادا کرے، تراویح کی نماز کو باجماعت ادا کرنے کی خاطر مسجد میں یا کسی گھر میں جانے کو زیادہ ثواب کا عمل نہ سمجھے، اور نہ اس کا اہتمام کرے، نمازِ تسبیح کا درجہ تو نمازِ تراویح سے بھی کم ہے، لہٰذا نمازِ تسبیح کو باجماعت ادا کرنا اور اس کی خاطر کسی گھر میں خواتین کا جمع ہونا ہرگز درست نہیں، اس نماز کو اکیلے ہی پڑھا جائے۔

(۲)......روزہ: رمضان شریف کی سب سے زیادہ اہم عبادت جس کی فرضیت قرآن پاک، اور متواتر احادیث سے ثابت ہے، وہ روزہ ہے، روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، اس لئے تمام مسلمان خواتین پر لازم ہے کہ وہ پورے رمضان کے روزے فرض سمجھتے ہوئے اہتمام سے رکھیں، بغیر کسی معقول عذر کے رمضان کا کوئی ایک روزہ بھی چھوڑ دینا جائز نہیں، سخت گناہ ہے، بلکہ جو روزہ کسی عذر کی وجہ سے رہ جائے، اس کی بھی بعد میں قضاء رکھنا ضروری ہے۔

روزہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہش پوری کرنے سے رکے رہنے کا نام ہے، جبکہ روزے کی نیت بھی ہو، رمضان کا روزہ یا کوئی بھی روزہ درست ہونے کے لئے نیت کا ہونا تو ضروری ہے، لیکن سحری کھانا ضروری نہیں، پس اگر کوئی عورت سحری کھائے بغیر روزے کی نیت کرلے، اور کھانے پینے ونفسانی خواہش سے صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک رکی رہے، تو اس کا روزہ درست ہوجائے گا، روزہ درست ہونے کے لئے خواتین کا حیض ونفاس کے خون سے پاک ہونا ضروری ہے، اگر کسی خاتون نے روزہ رکھا ہوا تھا، اور اسے حیض کا خون آ گیا، تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، اگرچہ غروبِ

آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے ہی خون آیا ہو، اس کی بعد میں قضاء رکھنا ضروری ہوسگا۔

روزہ کا مقصد: قرآن مجید کی جس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان پر روزہ فرض ہونا بیان کیا گیا ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تا کہ ایمان والوں میں تقویٰ پیدا ہوجائے۔

تقویٰ کا مفہوم: تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنیٰ میں ہوتا ہے، ایک ''ڈرنا'' دوسرے ''بچنا'' اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو گناہوں سے بچنا ہی ہے، مگر سبب اس کا ڈرنا ہے، کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے، جبھی اس سے بچا جاتا ہے (بحوالہ شریعت وطریقت ص ۱۰۷، بتغیر یسیر)

جب انسان روزہ رکھتا ہے، تو وہ تنہائی میں کھانے پینے کی کوئی چیز باوجود شدید بھوک پیاس اور تقاضے کے نہیں کھاتا پیتا، صرف اس وجہ سے کہ اس طرح اس کا روزہ (جو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے) ٹوٹ جائے گا، یعنی ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے انسان نے کھانے پینے کی حلال چیزوں کو چھوڑ دیا، لیکن جو چیزیں حرام ہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی حرام قرار دیا ہے، بہت سارے مسلمان روزے کی حالت میں بھی ان کو نہیں چھوڑتے، جیسے عورتوں کا نامحرم مَردوں کو یا نامحرم مَردوں کی تصویروں کو دیکھنا، جھوٹ، غیبت، چغلی، فضول گفتگو، بدکلامی، گالی گلوچ، لعن طعن، لڑنا، جھگڑنا، بے حیائی کے کام کرنا، گانا باجا سننا، کسی اجنبی (نامحرم مرد) کے سامنے بے پردہ ہوکر جانا، ناجائز زیب وزینت کرنا وغیرہ، یہ سب ناجائز کام ہیں، اور اس طرح کے سب ناجائز کاموں سے بچنے سے ہی روزے کا مقصد یعنی تقویٰ حاصل ہوگا۔

اور اگر اس طرح کے گناہوں سے نہ بچا گیا، تو گو کہ روزے کا فرض تو ادا ہوجائے گا، مگر روزے کا مقصد اور برکات حاصل نہ ہونگی، اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب روزہ رکھ کر سارا دن بھوکا پیاسا رہنا ہی ہے، تو ہمت کر کے اس طرح کے ناجائز کاموں سے بچنے کا اہتمام بھی کیا جائے، تا کہ روزے کے مقاصد وبرکات بھی پوری طرح حاصل ہوں۔

روزے کی حالت میں چونکہ انسان بھوکا پیاسا ہوتا ہے، اس لئے ذرا سی خلافِ طبع بات پیش آنے پر بہت جلد غصہ آجاتا ہے، اس لئے روزے کی حالت میں خاص طور پر اس طرف دھیان رکھنا چاہئے کہ ایسے موقع پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، اس طرح کی صورتحال میں نفس کو قابو رکھنے کے لئے **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھنا شروع کردیں، کھڑی ہوں تو بیٹھ جائیں، بیٹھی ہوں تو لیٹ جائیں،

ٹھنڈے پانی سے وضو کرلیں، غصے کی حالت میں کوئی نازیبا بات اور نازیبا حرکت نہ کریں، بلکہ صبر اور برداشت سے کام لیں، کیونکہ روزے کو حدیث شریف میں نصف صبر قرار دیا گیا ہے، اور رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس مہینے اور اس عبادت کی حالت میں خاص طور پر صبر کے مواقع پر صبر کرنے کا خصوصی اہتمام کریں۔

(۳)......شبِ قدر: ماہِ رمضان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جمہور علمائے کرام کی تحقیق کی رو سے اسی مہینے کے آخری عشرے بالخصوص آخری عشرے کی طاق راتوں میں کوئی رات شبِ قدر ہوتی ہے، اور شبِ قدر میں عبادت کرنے کا قرآن حدیث کی رو سے بہت زیادہ اجر وثواب ہے، لہٰذا آخری عشرے کی راتوں میں فرائض وواجبات، نماز تراویح وغیرہ کی ادائیگی اور حرام اور گناہ کے کاموں سے بچنے کے ساتھ ساتھ اپنی سہولت اور فرصت کے مطابق نفلی عبادات کا بھی عام راتوں سے بڑھ کر اہتمام کرنا چاہئے، لیکن یاد رہے کہ شبِ قدر میں کوئی خصوصی عمل یا کسی عمل کا کوئی خصوصی طریقہ منقول نہیں، بلکہ عام طریقہ کے مطابق نفل نماز، ذکر، تلاوت، دعا اور استغفار وغیرہ میں مشغول رہنے سے بھی شبِ قدر کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، البتہ حدیث شریف میں ایک دعا خاص طور پر شبِ قدر میں مانگنے کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے اپنی دعاؤں میں اس دعا کو بھی شامل کرلینا چاہئے، اور وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے، معاف کرنا تجھے پسند ہے، پس مجھے بھی معاف کردے۔

(۴)......اعتکاف: شبِ قدر کے فضائل سے فائدہ اٹھانے کا بہترین ذریعہ رمضان کے آخری عشرے کا مسنون اعتکاف ہے، مسنون اعتکاف کا وقت ۲۰ ویں روزے کو ٹھیک سورج غروب ہونے سے لے کر عید کا چاند نظر آنے تک ہے، اس لئے جس خاتون کا مسنون اعتکاف کا ارادہ ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ۲۰ ویں روزے کو سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے ہی اعتکاف کی نیت سے اعتکاف کی مخصوص کی ہوئی جگہ میں پہنچ جائے، خواتین کو اپنے گھر میں ہی نماز وغیرہ پڑھنے کے لئے خاص کی ہوئی جگہ میں اعتکاف بیٹھنے کا حکم ہے۔

آخری عشرے کا مسنون اعتکاف درست ہونے کے لئے روزہ رکھنا بھی ضروری ہے، اور عورت کا حیض

Idara Ghufran

ونفاس سے پاک ہونا بھی ضروری ہے،لہٰذا جس خاتون کو آخری عشرے میں حیض کا خون جاری ہوجانے کا اندیشہ ہو،یاکسی عذر کی وجہ سے وہ روزے نہ رکھ رہی ہو،تواس کا مسنون اعتکاف کرنا درست نہیں،اور جس خاتون کو آخری عشرے کا اعتکاف کرتے ہوئے حیض آنا شروع ہوجائے،یاکسی اور وجہ سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے،تواس کا مسنون اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا،جس کی شرعی قاعدے کے مطابق قضا کرنا اس کے ذمے لازم ہوگی،دورانِ اعتکاف اپنی اعتکاف کی مخصوص جگہ میں رہنا ضروری ہے،بغیر ایسی شدید ضرورت کے جس کے لئے وہاں سے اٹھنے کوشریعت نے جائز قرار دیا ہو،وہاں سے اٹھ کر کسی اور جگہ چلے جانا خواہ کتنے ہی ضروری کام سے جانا ہو،اور خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی جانا ہو،اس جانے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا،اوراس کی قضاء لازم ہوگی،البتہ اپنی مخصوص جگہ میں رہتے ہوئے گھر کا کوئی کام مثلاً سینا، پرونا،سبزی پھل کاٹنا،آٹا گوندھنا وغیرہ کرنا چاہے تواس کی شرعاً اجازت ہے،اوراس سے اعتکاف میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا،دورانِ اعتکاف جھوٹ،غیبت،چغلی،بے ہودہ گوئی،اور ہر طرح کی فضولیات ولغویات سے بچ کر اپنا زیادہ سے زیادہ وقت نماز،تلاوت،ذکر،دعا،استغفار وغیرہ میں صرف کرنا چاہئے۔

(۵)......رمضان کی آخری رات: رمضان کی آخری رات خواہ ۲۹ویں رات ہو یا ۳۰ویں رات، بہر حال بہت فضیلت والی رات ہے،لہٰذا شبِ قدر کی طرح اس رات میں بھی فرائض وواجبات کی ادائیگی اور حرام وگناہ کے کاموں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے نفل نماز،تلاوت،ذکر،دعا واستغفار وغیرہ کی کوشش کرنی چاہئے،واللہ الموفق۔

ادارہ غفران کی طرف سے جدید کمپیوٹرائز اُصولوں اور شرعی قواعد کے مطابق

راولپنڈی واسلام آباد شہر سے متعلق دائمی

نقشہ اوقاتِ نماز،سحر وافطار

شائع ہوچکا ہے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران   چاہ سلطان   راولپنڈی

آپ کے دینی مسائل کا حل — ادارہ

امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ملنے کا ثبوت

سوال

اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ کسی رکعت کے قیام میں شریک نہ ہوسکے، بلکہ اس وقت شریک ہو، جب امام رکوع میں ہو، تو اس کے حق میں اس رکعت کے معتبر اور حاصل ہوجانے کے کیا دلائل ہیں؟

کیونکہ بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کرسکے، اور رکوع کی حالت میں آ کر جماعت میں شامل ہو، تو اس کی یہ رکعت معتبر نہیں ہوتی۔

امید ہے کہ تفصیلی جوابات سے مستفید فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

نماز کی ہر رکعت کی ادائیگی مستقل فرض ہے۔

اگر کوئی چار رکعات فرضوں کے بجائے صرف تین رکعات فرض پڑھے، یا تین رکعات فرضوں کے بجائے صرف دو رکعت پڑھے، یا دو رکعت فرضوں کے بجائے صرف ایک رکعت فرض پڑھے، تو اس کی نماز کا فریضہ درست قرار نہیں پاتا۔ اور امام کے ساتھ رکعت میں شرکت کے لئے اتنا کافی ہے کہ قیام کے کسی جزو میں شریک ہوجائے، یا جو چیز قیام کے حکم میں ہے، اس میں شریک ہوجائے، اور رکوع قیام کا حکم رکھتا ہے۔ [۱]

اور رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اتنا جھکا جائے، کہ ہاتھ اپنے گھٹنوں تک پہنچ سکتے ہوں۔ [۲]

---

[۱] وحاصله أن الاقتداء لا يثبت فى الابتداء على وجه يدرک به الركعة مع الإمام إلا بإدراک جزء من القيام أو مما فى حكمه وهو الركوع لوجود المشاركة فى أكثرها فإذا تحقق منه ذلک لا يضره التخلف بعده ، حتى إذا أدركه فى القيام فوقف حتى ركع الإمام ورفع فركع هو صح لتحقق مسمى الاقتداء فى الابتداء فإن ذلک حقيقة اللاحق وإلا لزم انتفاء اللاحق مع أنه محقق شرعا فافهم (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة)

[۲] وادناه شرعا انحناء الظهر بحيث لو مد يديه ينال ركبتيه ......وفى الحموى فان ركع جالسا ينبغى ان تحاذى جبهته ركبتيه ليحصل الركوع اه ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقيقة لانه يبالغ فيه حتى يكون قريبا من السجود (حاشية الطحطاوى مراقى الفلاح ص ۱۲۵، كتاب الصلاة)

Idara Ghufran

پس اگر شامل ہونے والا مقتدی تکبیرِ تحریمہ کہہ کر اتنا جھک گیا ہو، کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکتے ہوں، اور امام ابھی اتنا کھڑا نہ ہوا ہو، کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچتے ہوں، تو مقتدی کا رکعت پالینا معتبر ہوگا، اور اگر مقتدی کے اتنا جھکنے سے پہلے امام اس حد سے نکل گیا، تو پھر مقتدی کی اس رکعت میں شرکت معتبر نہیں ہوگی۔

ملحوظ رہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع کی حالت میں پائے، تو رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پوری تکبیرِ تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کھڑے ہوکر کہے، اور پھر اس کے فوراً بعد رکوع میں چلا جائے (رکوع کی دوسری تکبیر کہنا ضروری نہیں)

ایسی حالت میں رکعت ملنے کے تقاضے کی خاطر بعض لوگ تکبیرِ تحریمہ کھڑے ہوکر نہیں کہتے، بلکہ رکوع میں جاتے ہوئے کہتے ہیں، ایسی صورت میں ان کی نماز درست نہیں ہوتی، کیونکہ تکبیرِ تحریمہ قیام کی حالت میں نہیں پائی گئی۔ [۱]

---

[۱] فصل (وإذا أراد الشروع فی الصلاة كبر) لو قادرا (للافتتاح) أی قال وجوبا الله أكبر ولا يصير شارعا بالمبتدأ فقط ك (الله) ولا ب (أكبر) فقط هو المختار ، فلو قال الله مع الإمام وأكبر قبله أو أدرک الإمام راكعا فقال الله قائما وأكبر راكعا لم يصح فی الأصح ؛ كما لو فرغ من (الله) قبل الإمام ؛ ولو ذكر الاسم بلا صفة صح عند الإمام خلافا لمحمد (بالحذف) إذ مد أحد الهمزتين مفسد ، وتعمده كفر وكذا الباء فی الأصح .ويشترط كونه (قائما) فلو وجد الإمام راكعا فكبر منحنيا ، إن إلى القيام أقرب صح ولغت نية تكبيرة الركوع (الدرالمختار، كتاب الصلاة)

ومن أدرک الإمام حال كونه راكعا فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرک تلک الركعة وكذا لو لم يقف بل انحط فرفع الإمام منه قبل ركوع المقتدی لا يصير مدركا لفوت المشاركة فيه المستلزم لفوت الركعة خلافا لزفر والشافعی فإنهما يقولان إنه أدرک الإمام فيما له حكم القيام والحجة عليهما قوله عليه الصلاة والسلام من أدرک الركعة فقد أدرک الصلاة فظاهره أنه ركع معه ومن ركع قبل إمامه ولم يرفع رأسه فأدرک إمامه فيه أی الركوع صح ركوعه لأن الشرط المشاركة فی جزء من الركن وقد وجد لكن كره لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا تبادرونی بالركوع والسجود وقوله عليه السلام أما يخشى الذی يركع قبل الإمام ويرفع أن يحول الله رأسه برأس الحمار (مجمع الانهر، كتاب الصلاة)

ومن أدرک إمامه راكعا فكبر ووقف حتى رفع الأمام رأسه "من الركوع أو لم يقف ، بل انحط بمجرد إحرامه فرغ الإمام رأسه قبل ركوع المؤتم "لم يدرک الركعة "كما ورد عن ابن عمر رضی الله عنهما فكان الشرط لإدراک الركعة إما مشاركة الإمام فی جزء من القيام ، أو جزء مما له حكم القيام ،وهو الركوع ولا يشترط تكبيرتان للإحرام والركوع ،ولو كبر ينوی الركوع لا الإفتتاح جاز ،ولغت نيته (مراقی الفلاح شرح نورالايضاح، كتاب الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث وروایات اور صحابہ وتابعین کے قول وعمل سے امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجانے والے کی رکعت کا معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے، اور جمہور امت کا یہی موقف ہے، اوراس موقف سے ہٹنے والوں کی رائے کمزور ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّـهُ انْتَهَـى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ (بخاری، حدیث نمبر ۷۴۱؛ ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۸۳؛ نسائی، حدیث نمبر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله :(فكبر) أى قائما فلو كبر منحنيا إن كان إلى الركوع أقرب لا يصح شروعه وظاهر ذلك ولو كان فى النفل الذى لا يشترط له القيام كما تفيده عبارة الزاهدى لأنه ليس بافتتاح قائما ولا قاعدا وقوله :راكعا احترز به عما لو أدركه فى القيام ولم يركع معه فإنه يصير مدركا لها فيكون لاحقا فيأتى بها قبل الفراغ سيد عن الدر قوله :(أو لم يقف بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه) بحيث لم تتحقق مشاركته له فيه فإنه يصح اقتداؤه ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدركه فى جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه وقيل :إذا شرع فى الانحطاط وشرع الإمام فى الرفع فقد أدركه فى الركوع أضا ويعتد بتلك الركعة وقيل :إذا شاركه فى الرفع قبل أن يستتم قائما يعتد بها وإن قل وقل :لا يصير مدركا تلك الركعة ما لم يشارك الإمام فى الركوع كله وقيل فى مقدار تسبيحة قال ابن أمير حاج :والأول أوجه وقال الحلبى :هو الأصح لأن الشرط المشاركة فى جزء من الركوع وإن قل والحاصل أنه إذا وصل إلى حد الركوع قبل أن يخرج الإمام من حد الركوع فقد أدرك معه الركعة وإلا فلا كما يفيده أثر ابن عمر كذا فى الحلبى من صفة الصلاة وإنما ذكرنا هذه الأقاويل لأن الناس يقع منهم الاقتداء فى الركوع كثيرا من غير إدراك جزء منه ويعتدون به فهم فى ذلك موافقون لبعض أقوال العلماء قوله :(فرفع الإمام رأسه) مراده أنه رفع قبل أن يشاركه المؤتم فى جزء من الركوع وإلا فظاهر التعبير بالفاء أن الرفع تحقق بعد الإنحطاط وحينئذ تحقق المشاركة فتكون الصلاة صحيحة قوله :(كما ورد عن ابن عمر رضى الله عنهما) ولفظه إذا أدركت الإمام راكعا فركعت قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت الركعة وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتك الركعة اه والكاف فى كما ورد بمعنى لام التعليل قوله :(ولا يشترط تكبيرتان للإحرام والركوع) الذى فى الفتح ومدرك الإمام فى الركوع لا يحتاج إلى تكبيرتين خلافا لبعضهم اه وهى أولى من عبارة المصنف وفى ابن أمير حاج عن التتمة والخانية والمحيط هذا بخلاف مدركه فى السجود والقعود فإنه يكبر للافتتاح وأخرى للإنحطاط اه ولعل وجهه قربه فى الأول من الركوع فأغنت تكبيرة الإفتتاح التى فى القيام عن تكبيرة ما قرب منه ولا كذلك التكبيرة للانحطاط المذكور قوله :(ولغت نيته) فتقع للافتتاح لأن الركن فى محله لا يتغير بالقصد كذا فى الفتح وفى البحر لو أدركه فى الركوع تحرى إن كان أكبر رأيه أنه لو أتى بالثناء أدركه فى شىء من الركوع أتى به وإلا لا والأصح أنه لا يأتى به بعد شروع الإمام فى القراءة ولو سرية اهـ(حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، باب ادراک الفريضة)

۸۷۰؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۰۴۵۸)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ نبی ﷺ کی طرف (دوڑتے ہوئے) آئے، اور نبی ﷺ اُس وقت رکوع میں تھے، تو حضرت ابوبکرہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی (نیت باندھ کر) رکوع کرلیا، پھر اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حرص کو زیادہ فرمائیں، اور آپ آئندہ ایسا نہ کریں (یعنی دوڑ کر نہ آئیں) (ترجمہ ختم)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے نیت باندھ کر رکوع اس لیے کیا تھا، تاکہ اُن کو وہ رکعت مل جائے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ہی اس واقعے کی تفصیل اس طرح روایت کی ہے:

عن أبی بکرة ، رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة الصبح ، فسمع نفسا شدیدا أو بهرا من خلفه ، فلما قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لأبی بکرة : أنت صاحب هذا النفس ؟ قال :نعم ، جعلنی الله فداک ، خشیت أن تفوتنی رکعة معک فأسرعت المشی ، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :زادک الله حرصا ولا تعد صل ما أدرکت واقض ما سبق (القراء ة خلف الإمام للبخاری، حدیث نمبر ۱۲۵)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، تو انہوں نے اپنے پیچھے تیز سانس کی یا تھکان کی وجہ سے سانس پھولنے کی آواز سنی، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز کو مکمل فرمالیا، تو حضرت ابوبکرہ سے فرمایا کہ کیا آپ ہی تیز سانس لے رہے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کریں، مجھے اس بات کا ڈر ہو گیا تھا کہ آپ کے ساتھ میری رکعت فوت نہ ہو جائے، اس لیے میں تیز چل کر آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حرص کو زیادہ فرمائیں، اور آپ آئندہ ایسا نہ کریں (یعنی دوڑ کر نہ آئیں) اور جتنی نماز پالیں، اُس کو پڑھ لیں، اور جو رہ جائے، اُس کو (امام کے سلام پھیرنے کے) بعد میں پڑھ لیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں حضرت قاسم بن ربیعہ کی سند سے صحیح سند کے ساتھ یہ بھی

Idara Ghufran

مروی ہے کہ:

عن أبی بکرة ، رجل کانت له صحبة أنه کان یخرج من بیته ، فیجد الناس قد رکعوا ، فیرکع معهم ، ثم یدرج راکعا حتی یدخل فی الصف، ثم یعتد بها (حدیث إسماعیل بن جعفر، حدیث نمبر ۱۲۳) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جن کو حضور ﷺ کی صحبت حاصل تھی، وہ اپنے گھر سے (نماز کے لیے) نکلتے تھے، اور نمازی رکوع میں ہوتے تھے، تو وہ اُن کے ساتھ (کچھ پیچھے سے ہی) رکوع میں شامل ہوجاتے تھے، پھر رکوع کی حالت میں ہی (آہستگی سے) آگے بڑھ کر صف میں پہنچ جاتے تھے، پھر اس رکعت ملنے کا اعتبار بھی کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اگر رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ملنے کا اعتبار نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی کیا ضرورت تھی، نیز حضور ﷺ نے بھی رکوع میں شامل ہونے پر رکعت ملنے کی نفی نہیں فرمائی۔

جس سے معلوم ہوا کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت مل جاتی ہے۔ [2]

---

[1] قلت وهذا إسناد صحیح (عون الودود لتیسیر ما فی السلسلة الصحیحة من الفوائد والردود)

[2] وعند أصحابنا وهو قول الجمهور أنه یکون مدرکا لتلک الرکعة لحدیث أبی بکرة حیث رکع دون الصف فقال له النبی زادک الله حرصا ولا تعد ولم یأمره بإعادة تلک الرکعة وروی أبو داود من حدیث معاویة ابن ابی سفیان قال قال رسول الله لا تبادرونی برکوع ولا سجود فإنه مهما أسبقکم به إذا رکعت تدرکونی به إذا رفعت وإنی قد بدنت وهذا یدل علی أن المقتدی إذا لحق الإمام وهو فی الرکوع فلو شرع معه ما لم یرفع رأسه یصیر مدرکا لتلک الرکعة فإذا شرع وقد رفع رأسه لا یکون مدرکا لتلک الرکعة ولو رکع المقتدی قبل الإمام فلحقه الإمام قبل قیامه یجوز عندنا خلافا لزفر رحمه الله (عمدة القاری شرح صحیح البخاری،باب لا یسعی إلی الصلاة ولیأت بالسکینة والوقار)

عن أبی بکرة أنه انتهی إلی النبی وهو أی النبی راکع فرکع أی نوی وکبر قائما ورکع قبل أن یصل إلی الصف لیدرکه علیه السلام فإن من أدرک الرکوع فقد أدرک تلک الرکعة ثم مشی إلی الصف أی بخطوتین أو بأکثر غیر متوالیة فذکر علی البناء للمفعول وقیل معلوم ذلک أی ما فعله للنبی فقال زادک الله حرصا علی الطاعة والمبادرة إلی العبادة ولا تعد بفتح التاء وضم العین من العود أی لا تفعله مثل ما فعلته ثانیا وروی ولا تعد بسکون العین وضم الدال من العدو أی لا تسرع فی المشی إلی الصلاة واصبر حتی تصل إلی الصف ثم اشرع فی الصلاة وقیل بضم التاء وکسر العین من الاعادة أی لا تعد الصلاة التی صلیتها قال النووی فی شرح المهذب فیه أقوال أحدها لا تعد من العدو کقوله لا تأتوها تسعون والثانی لا تعد إلی التأخر عن الصلاة حتی تفوتک الرکعة مع الإمام والثالث لا تعد إلی الإحرام خلف الصف نقله میرک ولا خفاء أن المعنی الثالث أنس بالمقام وإلا جمع ما قال العسقلانی ضبطناه فی جمیع الروایات بفتح أوله وضم العین من العود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اس حدیث کے مطابق جمہور فقہائے کرام کی رائے یہی ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والا رکعت کو پالیتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جو صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی حضور ﷺ کے رکوع میں ہونے کی حالت میں نیت باندھی، وہ رکعت پانے ہی کے لیے تھی، اور اسی پر حضور ﷺ نے اُن کو دعا ارشاد فرمائی۔ اور دیگر کئی احادیث اور جلیل القدر صحابۂ کرام و تابعینِ عظام کے قول و عمل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أی لا تعد إلى ما صنعت من السعی الشدید ثم من الرکوع دون الصف ثم من المشی إلى الصف وقال الشیخ الجزری لا تعد بفتح التاء وضم العین واسکان الدال من العود أی لا تعد ثانیا إلى مثل ذلک الفعل وهو المشی إلى الصف فی الصلاة وإن کانت الخطوة والخطوتان لا تفسد الصلاة فالأولى التحرز عن ذلک ویحتمل أن یکون نهاه عن اقتدائه منفردا ویحتمل أن یکون عن رکوعه قبل الوصول إلى الصف والظاهر أنه نهی عن ذلک کله وقد أبعد من قال ولا تعد بضم التاء وکسر العین من الاعادة أی لا تعد وأبعد منه من قال إنه بإسکان العین وضم الدال من العدو أی لا تسرع وکلاهما لم یأت به روایة وإنما یحملهم على ذلک فی أمثاله من تحریفهم ألفاظ النبوة وتغییرها کونهم لم یحفظوها أو ما وصلت إلیهم بالروایة فیذکرون ما یحتمله الخط لعدم معرفتهم باللفظ المروی والله الموفق (مرقاة، باب الموقف أی موقف الإمام والمأموم)

[۱] وقد استدل بهذا الحدیث على مسألتین . المسألة الأولى : من أدرک الرکوع مع الإمام فقد أدرک الرکعة ، وإن فاته معه القیام وقراء ة الفاتحة .وهذا قول جمهور العلماء ، وقد حکاه إسحاق بن راهویه وغیره إجماعا من العلماء .وذکر الإمام أحمد فی روایة أبی طالب أنه لم یخالف فی ذلک أحد من أهل الإسلام ، هذا مع کثرة اطلاعه وشدة ورعه فی العلم وتحریه .وقد روی هذا عن عليٍ وابن مسعود وابن عمر وزید بن ثابتٍ وأبی هریرة -فی روایة عنه رواها عبد الرحمن بن إسحاق المدینی ، عن المقبری ، عنه .وذکر مالک فی)(الموطأ أنه بلغه عن أبی هریرة، أنه قال :من أدرک الرکعة فقد أدرک السجدة .وهو قول عامة علماء الأمصار .ثم من رأى أن القراء ة لا تجب على المأموم استدل به على أن القراء ة غیر لازمة للمأموم بالکلیة ، ومن رأى لزوم القراء ة له کالشافعی قال :إنها تسقط ها هنا للضرورة وعدم التمکین منها .وجعله إسحاق دلیلاً على أن القراء ة لا تجب إلا فی ثلاث رکعاتٍ من الصلاة .ولازم هذا :أنه لو أدرک الرکوع فی رکعةٍ من الصبح أنه لا یعتد بها ؛ لأنه فاتته القراء ة فی نصف الصلاة .وهذا التفصیل محدث مخالف الإجماع .وقد روی أن الصلاة التی رکع فیها أبو بکرة هی صلاة الصبح ، وسیأتی -إن شاء الله .وذهبت طائفة إلى أنه لا یدرک الرکعة بإدراک الرکوع مع الإمام ، لأنه فاته مع الإمام القیام وقراء ة الفاتحة .... وهذا شذوذٌ عن أهل العلم ومخالفةٌ لجماعتهم .... وقد أجاب البخاری فی)(کتاب القراء ة() عن حدیث أبی بکرة بجوابین :أحدهما :أنه لیس فیه تصریح بأنه اعتد بتلک الرکعة .والثانی :أن النبی -صلى الله علیه وسلم - نهاه عن العود إلى ما فعله .فأما الأول ، فظاهر البطلان ، ولم یکن حرص أبی بکرة على الرکوع دون الصف إلا لإدراک الرکعة ، وکذلک کل من أمر بالرکوع دون الصف من الصحابة ومن بعدهم أنما أمر به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور پیچھے نیت باندھ کر رکوع کی حالت میں آگے بڑھنا اتنا زیادہ مقدار میں نہیں تھا کہ وہ عملِ کثیر میں داخل ہو، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلاَ تَعُدُّوهَا شَيْئًا وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ (ابوداؤد، باب فِى الرَّجُلِ يُدْرِكُ الإِمَامَ سَاجِدًا كَيْفَ يَصْنَعُ، حديث نمبر ۸۹۳، واللفظ لهٗ،سنن دار قطنى، باب مَنْ أَدْرَكَ الإِمَامَ قَبْلَ إِقَامَةِ صُلْبِهِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ، حديث نمبر ۱۳۳۰،ابنِ خزيمه، جماع أبواب قيام المأمومين خلف الإمام وما فيه من السنن، حديث نمبر ۱۵۳۴،سنن البيهقى الكبرىٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامِ فِى الرُّكُوعِ، حديث نمبر ۲۶۷۷،مستدرک حاكم، حديث نمبر ۷۴۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ، اور ہم سجدے میں ہوں، تو تم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لإدراک الركعة ، ولو لم تكن الركعة تدرک به لم يكن فيه فائدة بالكلية ، ولذلک لم يقل منهم أحد :أن من ادركه ساجداً فأنه يسجد حيث أدركته السجدة ، ثم يمشى بعد قيام الإمام حتى يدخل الصف ، ولو كان الركوع دون الصف للمسارعة إلى متابعة الإمام فيما لا يعتد به من الصلاة ، لم يكن فرق بين الركوع والسجود فى ذلک .وهذا أمر يفهمه كل أحد من هذه الأحاديث والآثار الواردة فى الركوع خلف الصف ، فقول القائل :لم يصرحوا بالاعتداد بتلک الركعة هو من التعنت والتشكيک فى الواضحات ، ومثل هذا إنما يحمل عليه الشذوذ عن جماعة العلماء ، والأنفراد عنهم بالمقالات المنكرة عندهم . فقد أنكر ابن مسعود على من خالف فى ذلک ، واتفق الصحابة على موافقته ، ولم يخالف منهم أحدٌ ، إلا ما روى عن أبى هريرة ، وقد روى عنه من وجه أصح منه أنه يعتد بتلک الركعة .واما الثانى ، فإنما نهى النبى -صلى الله عليه وسلم -أبا بكرة عن الإسراع إلى الصلاة ، كما قال) :(لا تأتوها وأنتم تسعون ، كذلک قاله الشافعى وغيره من الأئمة ،وسيأتى الكلام على ذلک فيما بعد -إن شاء الله تعالى .وكان الحامل للبخارى على ما فعله شدة إنكاره على فقهاء الكوفيين أن سورة الفاتحة تصح الصلاة بدونها فى حق كل أحدٍ ، فبالغ فى الرد عليهم ومخالفتهم ، حتى التزم ما التزمه مما شذ فيه عن العلماء ، واتبع فيه شيخه ابن المدينى ، ولم يكن ابن المدينى من فقهاء أهل الحديث ، وأنما كان بارعا فى العلل والأسانيد .(فتح البارى لابن رجب، كتاب الصلاة)

(نیت باندھ کر) سجدے میں ہی شامل ہوجاؤ، لیکن اس سجدے کا اعتبار نہ کرو، اور جس نے رکوع کو پالیا، تو اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا (ترجمہ ختم)

اس حدیث کو بعض نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے۔ [1]

اس حدیث میں رکوع پالینے کے لئے رکعت پالینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس سے مراد رکوع پالینا ہی ہے، جس کی دوسری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے۔ [2]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -قَالَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلاَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا قَبْلَ أَنْ يُقِيمَ الإِمَامُ صُلْبَهُ (دار قطنى، باب مَنْ أَدْرَكَ الإِمَامَ قَبْلَ إِقَامَةِ صُلْبِهِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ، حديث نمبر ۱۳۲۹،واللفظ لهٗ،ابنِ خزيمه، جماع أبواب قيام المأمومين خلف الإمام وما فيه من السنن، حديث نمبر ۱۵۱۰،سنن البيهقى الكبرىٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِى الرُّكُوعِ، حديث نمبر ۲۶۷۸،الكامل لابن عدى، جزء۷ صفحه ۲۲۸،الضعفاء الكبير للعقيلى، حديث نمبر ۲۲۰۴،وحديث نمبر ۲۲۰۵)

---

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَيَحْيَى بْنُ أَبِى سُلَيْمَانَ مِنْ ثِقَاتِ الْمِصْرِيِّينَ.
وقال الذهبى فى التلخيص :صحيح ويحيى لم يذكر بجرح (حواله بالا)
وقال الالبانى:
صحيح (ارواء الغليل تحت حديث رقم ۴۹۶)
قلت :حديث حسن(صحيح ابى داؤد، باب فى الرجل يدرك الامام ساجداً؛ كيف يصنع)

[2] ولا تعدوه أى لا تحسبوا ذلك السجود شيئا أى من الركعة التى أدركتم ومن أدرك ركعة أى ركوعا مع الإمام فقد أدرك الصلاة أى الركعة(مرقاة، كتاب الصلاة، باب ما على الماموم من المتابعة للامام)
(من أدرك ركعة) أى ركوع ركعة (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۸۳۶۵)
ومفهومه ادراك السجدة بادراك الركوع فان الركعة اذا قارنت السجدة يراد بها الركوع فى لسان الشرع لا مجموع القيام والقرأة كما سنحققه واصرح منه ما اخرج عبدالرزاق عن الزهرى ان زيد بن ثابت وابن عمر كانا يفتيان الرجل اذا انتهى الى القوم وهم ركوع ان يكبر تكبيرة وقد ادرك الركعة قالا وان وجدهم سجودا سجد معهم ولم يعتد بذلك واخرج ايضا عن ابن مسعود قال من ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة ومن فاته الركوع فلايعتد بالسجود كذا فى عون المعبود(۱: ۳۳۵)فان ارادة الركوع بالركعة فيهما متعين (اعلاء السنن ج۴ص۳۳۷، باب ادراك الركعة بادراك الركوع مع الامام)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز کے رکوع کو پالیا، تو اس نے اس رکعت کو پالیا، اس سے پہلے کہ امام (رکوع سے) اپنی کمر اٹھائے (ترجمہ ختم)

یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے کچھ ضعیف ہے، لیکن دوسری مرفوع احادیث اور صحابۂ کرام وتابعینِ عظام کے آثار سے اس کو تقویت حاصل ہے۔ [۱]

---

[۱] وللحديث طريق أخرى بسند ضعيف :أخرجه البيهقى من طريق يحيى بن حُمَيْد عن قُرةَ بن عبد الرحمن عن ابن شهاب قال :أخبرنى أبو سلمة بن عبد الرحمن عن أبى هريرة أن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال : "من أدرك ركعة من الصلاة؛ فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صُلْبَهُ ."وقال: "قال أبو أحمد بن عدى :هذه الزيادة " :قبل أن يقيم الإمام صلبه "؛ يقولها يحيى بن حميد عن قرة .قال البخارى ...:لا يتابع يحيى فى حديثه ." لكن يقوِّيه ما أخرجه البيهقى أيضا من طريق شعبة عن عبد العزيز بن رُفَيْع عن رجل عن النبى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: "إذا جئتم والإمام راكع فاركعوا، وإن كان ساجداً فاسجدوا، ولا تعتدّوا بالسجود إذا لم يكن معه الركوع ." قلت :وإسناده صحيح؛ إن كان الرجل الذى لم يسمَّ صحابيّاً، ولعله الراجح؛ فإن عبد العزيز بن رفيع تابعي جليل، روى عن جماعة من الصحابة؛ منهم العبادلة: ابن عمر وابن عباس وابن الزبير .وسواء كان هو واحداً من هؤلاء أو رجلاً آخر من الصحابة؛ فالصحابة كلهم عدول .وإن كان من غيرهم من التابعين؛ فهو مجهول. لكن يقويه أن سعيد بن منصور قد أخرجه عن عبد العزيز بن رفيع عن أناس من أهل المدينة أن النبى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال ...فذكره بنحوه. فهؤلاء جماعة من التابعين -إن لم يكونوا من الصحابة -يقوى بعضهم بعضاً. ويزداد الحديث قوة بآثار وردت عن جماعة من الصحابة بأسانيد صحيحة أن مدرك الركوع مدرك للركعة، ولم يصح عن أحد منهم خلاف ذلک، وبيانه فى "إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل 496) ") ، و "الصحيحة1188) "). (صحيح ابى داوُد للالبانى، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يدرک الامام ساجداً؛ كيف يصنع؟)

أنه ضعيف لأن يحيى هذا لم يوثقه غير ابن حبان والحاكم بل قال البخارى :منكر الحديث .وقال أبو حاتم :مضطرب الحديث ليس بالقوى يكتب حديثه .قلت :لكن له طريق أخرى عن عبد العزيز بن رفيع عن رجل عن النبى (صلى الله عليه وسلم) : (إذا جئتم والإمام راكع فاركعوا وإن كان ساجدا فاسجدوا ولا تعتدوا بالسجو إذا ليكن معه الركوع) . أخرجه البيهقى .وهو شاهد قوى فإن رجاله كلهم ثقات وعبد العزيز ابن رفيع تابعى جليل روى عن العبادلة :ابن عمر وابن عباس وابن الزبير وغيرهم من الصحابة وجماعة من كبار التابعين فإن كان شيخه -وهو الرجل الذى لم يسمه -صحابيا فالسند صحيح لأن الصحابة كلهم عدول فلا يضر عدم تسميته كما هو معلوم وإن كان تابعيا فهو مرسل لا بأس به كشاهد لأنه تابعى مجهول والكذب فى التابعين قليل كما هو معروف .وقد روى بإسناد آخر من حديث أبى هريرة مرفوعا بلفظ :(من أدرک ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه) . أخرجه الدارقطنى والبيهقى وكذا أبو سعيد بن الأعرابى فى (المعجم) (ق 94/ 2) والعقيلى فى الضعفاء (460) كلهم من طريق ابن وهب ......ومما يقوى الحديث جريان عمل جماعة من الصحابة عليه :أولا :ابن مسعود فقد قال :(من لم يدرک الإمام راكعا لم يدرک تلک الركعة) . أخرجه البيهقى (2 / 90) من طريقين عن أبى الأحوص عنه .قلت :وهذا سند صحيح الخ (ارواء الغليل للالبانى)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع کی روایت

اور حضرت عبدالعزیز بن رفیع، انصاری شیخ سے روایت کرتے ہیں:

دخل رجل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ و سلم فی الصلاۃ فسمع خفق نعلیہ فلما انصرف قال علی أی حال وجدتنا قال سجودا فسجدت قال کذلک فافعلوا ولا تعتدوا بالسجود إلا أن تدرکوا الرکعۃ وإذا وجدتم الإمام قائما فقوموا أو قاعدا فاقعدوا أو راکعا فارکعوا أو ساجدا فاسجدوا أو جالسا فاجلسوا (مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر ۳۳۷۳)

ترجمہ: ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اور نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے اس کے جوتوں کی آہٹ سنی، پھر نبی ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ آپ نے ہمیں کس حال میں پایا؟ اس نے کہا کہ سجدے کی حالت میں پایا، اور میں سجدے میں شریک ہوا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی طرح کیا کرو، لیکن سجدے میں شریک ہونے کی صورت میں اس کو شمار نہ کیا کرو، مگر یہ کہ تم رکوع میں شامل ہو جاؤ، اور جب تم امام کو قیام کی حالت میں پاؤ، تو تم قیام میں شریک ہو جایا کرو، یا قعدے کی حالت میں پاؤ، تو قعدے کی حالت میں شریک ہو جایا کرو، یا رکوع کی حالت میں پاؤ، تو رکوع کی حالت میں شریک ہو جایا کرو، یا سجدے کی حالت میں پاؤ، تو سجدے میں ہی شریک ہو جایا کرو، یا جلسے کی حالت میں پاؤ، تو جلسے میں ہی شریک ہو جایا کرو (ترجمہ ختم)

یعنی جس حال میں بھی امام کو پاؤ، اسی حال میں اس کے ساتھ نیت باندھ کر شریک ہو جایا کرو، لیکن رکعت کا اعتبار رکوع تک ملنے ہی کی حالت میں ہوگا، جس کی مزید وضاحت اگلی روایت میں آتی ہے۔

اور سنن بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبدالعزیز بن رفیع کسی صحابی یا تابعی سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

إِذَا جِئْتُمْ وَالإِمَامُ رَاكِعٌ فَارْكَعُوا ، وَإِنْ سَاجِدًا فَاسْجُدُوا ، وَلاَ تَعْتَدُّوا بِالسُّجُودِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الرُّكُوعُ (سنن البیہقی الکبریٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِى الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۷۹)

ترجمہ: جب تم (نماز کے لیے) آؤ، اور امام رکوع کی حالت میں ہو، تو تم (نیت باندھ کر) رکوع میں شامل ہوجاؤ، اور امام سجدے کی حالت میں ہوتو تم (نیت باندھ کر) سجدے میں شامل ہوجاؤ، لیکن اس سجدے کوشمار نہ کرو، جب تک کہ امام کے ساتھ رکوع نہ ملے (ترجمہ ختم)

بعض روایات میں ان صحابی کا نام حضرت ابنِ مغفل مزنی مذکور ہے۔

اوراس حدیث کودیگر احادیث وآثار سے تقویت حاصل ہے۔ [1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] "إذا وجدتم الإمام ساجدا فاسجدوا أو راكعا فاركعوا أو قائما فقوموا و لا تعدوا بالسجود إذا لم تدركوا الركعة . "

قال الألباني فی "السلسلة الصحيحة 3 "/: 185

أخرجه إسحاق بن منصور المروزی فی "مسائل أحمد و إسحاق "(1 / 127 / 1 مصورة المكتب) حدثنا محمد بن رافع قال :حدثنا حسين بن علی عن زائدة ، قال :حدثنا عبد العزيز بن رفيع عن ابن مغفل المزنی قال :قال النبی صلی الله عليه وسلم فذكره .

قلت :و هذا إسناد صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين .و قد أخرجه البيهقی (2 /89) من طريق شعبة عن عبد العزيز بن رفيع عن رجل عن النبی صلی الله عليه وسلم قال :فذكره .

قلت :ففی رواية المروزی فائدة هامة و هی بيان أن الرجل الذی لم يسم عند البيهقی إنما هو ابن مغفل الصحابی و اسمه عبد الله ، و قد كنت ملت إلی ترجيح أنه صحابی فيما كنت علقته علی "سبل السلام "(2 / 26) أثناء تدريسه فی " الجامعة الإسلامية "قبل أن أقف علی هذه الرواية الصريحة فی ذلک ، فالحمد لله علی توفيقه .و قد أخرجه الترمذی من حديث علی و معاذ مرفوعا نحوه .و فی إسناده ضعف ينجبر بروايته ابن مغفل هذه .و قد وجدت له شاهدا من حديث عبد الرحمن بن الأزهر مرفوعا بلفظ " :إذا جئتم الصلاة و نحن سجود فاسجدوا و لا تعدوها شيئا ، و من أدرک الركعة فقد أدرک الصلاة . "رواه ابن منده فی " المعرفة "(2 / 16 / 2) عن جعفر بن ربيعة عن عبد الله بن عبد الرحمن بن السائب عن عبد الحميد بن عبد الرحمن بن الأزهر حدثه عن أبيه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال : فذكره . قلت :و هذا إسناد ضعيف ، عبد الرحمن بن الأزهر صحابی صغير و ابنه عبد الحميد ابن عبد الرحمن بن الأزهر ترجمه ابن أبی حاتم (13 / 1 / 15) من رواية جعفر بن ربيعة فقط و لم يذكر فيه جرحا و لا تعديلا .و عبد الله بن عبد الرحمن بن السائب لم أجد له ترجمة .و جعفر بن ربيعة و هو المصری ثقة من رجال الشيخين . و مما يشهد للحديث و يقويه عمل كبار الصحابة به كأبی بكر الصديق و زيد بن ثابت و ابن مسعود و قد سبق تخريجها تحت الحديث (229) فراجعها . (السلسلة الصحيحة ،تحت حديث رقم ۱۱۸۸)

Idara Ghufran

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا جِئْتُمِ الصَّلَاةَ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا، وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ "

(معرفة الصحابة لابی نعیم، حدیث نمبر ۴۵۹۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ، اور ہم سجدے میں ہوں، تو تم بھی سجدے میں شامل ہوجاؤ، لیکن اس سجدے کا کچھ اعتبار نہ کرو، اور جس نے رکوع کو پالیا، تو اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام فرماتے ہیں:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ دَخَلَا الْمَسْجِدَ وَالإِمَامُ رَاكِعٌ ، فَرَكَعَا ثُمَّ دَبَّا وَهُمَا رَاكِعَانِ حَتَّى لَحِقَا بِالصَّفِّ(سنن البیهقی حدیث نمبر ۲۶۸۸) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق ،اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوئے ،اور امام اس وقت رکوع کی حالت میں تھا، ان دونوں حضرات نے رکوع کیا، پھر رکوع ہی کی حالت میں رینگتے ہوئے (آہستگی کے ساتھ) آگے بڑھ کر صف میں شامل ہوگئے (ترجمہ ختم)

صف میں پہنچنے سے کچھ پہلے ہی نیت باندھ کر رکوع میں شامل ہوجانے کا مقصد یہی تھا، تاکہ رکعت حاصل ہوجائے ،اور فوت نہ ہو، صرف رکوع کی فضیلت کو حاصل کرنا پیشِ نظر نہ تھا، ورنہ تو اس فضیلت میں رکوع اور غیر رکوع برابر تھے، اور رکوع کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

اور رکوع ہی کی حالت میں رینگتے ہوئے آگے صف میں پہنچ جانے سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک تو یہ کہ مسجد کی حدود میں صف سے فاصلہ پر نیت باندھ کر امام کی اقتداء کرلینے سے نماز درست ہوجاتی ہے (وہ الگ بات ہے کہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، اور اسی مکروہ سے بچنے کے لئے رکوع ہی کی حالت میں دونوں حضراتِ صحابہ آگے صف میں پہنچ گئے)

---

[1] قال الالبانی:

قلت :و رجاله ثقات ، و لولا أن مكحولا قد عنعنه عن أبي بكر بن الحارث لحسنته ،و لكنه عن زيد بن ثابت صحيح(السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۲۹)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صف سے بہت زیادہ دور ہونے کی حالت میں نیت باندھ کر رکوع میں شریک نہیں ہوئے تھے، اگر ایسا ہوتا تو رکوع ہی کی حالت میں رینگتے ہوئے صف میں پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ رینگ کر آگے پہنچنے کا عمل اس لئے تھا، تاکہ چلنے کا عمل، عملِ کثیر کی شکل اختیار نہ کرے۔ [1]

البتہ آج کے دور میں عامۃ الناس کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ صف میں پہنچنے کے بعد ہی نیت باندھیں، اگرچہ وہاں تک پہنچنے کی صورت میں رکعت نکل جائے۔

کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اس میں ہر شخص کو کھلی اجازت مل جائے، تو اولاً تو اس کی شرائط کا لحاظ کرنا

---

[1] ملحوظ رہے کہ عذر کی صورت میں مشی سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور بغیر عذر کے اگر مشی قلیل ہو، تو فاسد نہیں ہوتی، اور اگر کثیر ہو تو فاسد ہو جاتی ہے، وفی تفسیر القلیل والکثیر اختلاف۔

بعض نے کثیر کی یہ حد بیان کی ہے کہ دو صفوں کے بقدر متواتر چلنا کثیر ہے، اور اس سے کم قلیل ہے، اور متواتر کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکن کی مقدار ٹھہرے بغیر مسلسل چلے، اور اگر ایک رکن کی مقدار وقفہ کے بعد دوبارہ یا سہ بارہ چلے، تو یہ متواتر نہ کہلائے گا۔

مطلب فی المشی فی الصلاۃ (قوله وقيل لا تفسد حالة العذر) أی وإن كثر واختلف المكان ...... قال محمد فی السير الكبير :وبهذا نأخذ ثم ليس فی هذا الحديث فصل بين المشی القليل والكثير جهة القبلة ؛ فمن المشايخ من أخذ بظاهره ولم يقل بالفساد قل أو كثر استحسانا .والقياس الفساد إذا كثر ، والحديث خص حالة العذر فيعمل بالقياس فی غيرها .وحكی عن أستاذه الجواز فيما إذا مشی مستقبلا وكان غازيا ، وكذا الخارج وكل مسافر سفره عبادة .وبعض المشايخ أولوا الحديث .ثم اختلفوا فی تأويله ، فقيل تأويله إذا لم يجاوز الصفوف أو موضع سجوده وإلا فسدت ، وقيل إذا لم يكن متلاحقا بل خطوة ثم خطوة ، فلو متلاحقا تفسد إن لم يستدبر القبلة لأنه عمل كثير ، وقيل تأويله إذا مشی مقدار ما بين الصفين ، كما قالوا فيمن رأى فرجة فی الصف الأول فمشی إليها فسدها ، فإن كان هو فی الصف الثانی لم تفسد صلاته ، وإن كان فی الصف الثالث فسدت ا هـ ملخصا .ونص فی الظهيرية على أن المختار أنه إذا كثر تفسد .هذا ، وذكر فی الحلية أيضا فی فصل المكروهات أن الذی تقتضيه القواعد المذهبية المستندة إلى الأدلة الشرعية ووقع به التصريح فی بعض الصور الجزئية أن المشی لا يخلو إما أن يكون بلا عذر أو بعذر ، فالأول إن كان كثيرا متواليا تفسد وإن لم يستدبر القبلة ، وإن كان كثيرا غير متوال بل تفرق فی ركعات أو كان قليلا ، فإن استدبرها فسدت صلاته للمنافی بلا ضرورة وإلا فلا وكره ، لما عرف أن ما أفسد كثيره كره قليله بلا ضرورة .وإن كان بعذر ، فإن كان للطهارة عند سبق الحدث أو فی صلاة الخوف لم يفسدها ولم يكره قل أو كثر استدبر أو لا ، وإن كان لغير ما ذكر ، فإن استدبر معه فسدت قل أو كثر .وإن لم يستدبر ، فإن قل لم يفسد ولم يكره ، وإن كان كثيرا متلاحقا أفسد .وأما غير المتلاحق ففی كونه مفسدا أو مكروها خلاف وتأمل ا هـ ملخصا .وقال فی هذا الباب :والذی يظهر أن الكثير الغير المتلاحق غير مفسد ولا مكروه إذا كانالعذر مطلقا .ا هـ .(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشی مستقبل القبلة هل تفسد)

مشکل ہے، اور دوسرے آج کل عوام نماز کھڑی ہونے کے بعد مساجد میں آنے کے عادی ہیں، جبکہ صحابۂ کرام کے دور میں ایسے واقعات اِکا دُکا ہوا کرتے تھے، پس آج کے دور میں آنے والے لوگ اگر اس پر عمل کریں گے، تو مسجد ایک تماشہ گاہ بن جائے گی، اور صف بندی اور دوسرے نظم میں خلل واقع ہوگا، جو رکعت کے چھوٹ جانے سے زیادہ بڑی خرابی ہے۔ ۱

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ہبیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لاَ یَعْتَدُّ بِالسُّجُودِ إذَا لَمْ یُدْرِکَ الرُّکُوعَ (مُصنف ابن أبی شیبة، مَنْ قَالَ إذَا دَخَلْتَ وَالإِمَامُ سَاجِدٌ فَاسْجُدْ، حدیث نمبر ۲۶۳۰)

ترجمہ: جب رکوع کو نہ پائے، تو سجدہ کو پانے کا اعتبار نہیں ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ھبیرہ، حضرت علی اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کرتے ہیں:

قالا "مَنْ لَمْ یُدْرِکِ الرَّکْعَةَ فَلا یَعْتَدُّ بِالسَّجْدَةِ." (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۹۲۴۶، واللفظ لہٗ، الأوسط لابن المنذر، ذکر الوقت الذی یکون فیه المأموم مدرکا للرکعة خلف الإمام ثابت عن نبی الله صلی الله علیه وسلم أنه قال : من أدرک من الصلاة رکعة فقد أدرکها ، حدیث نمبر ۱۹۹۵) ۲

ترجمہ: حضرت علی و ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے رکوع کو نہیں پایا، تو سجدے کو پانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

---

۱ ویکرہ لمن أتی الإمام وهو راکع أن یرکع دون الصف وإن خاف الفوت ...... لأنه لا یخلو عن إحدی الکراهتین إما أن یتصل بالصفوف فیحتاج إلی المشی فی الصلاة وإنه فعل مناف للصلاة فی الأصل حتی قال بعض المشایخ :إن مشی خطوة خطوة لا تفسد صلاته وإن مشی خطوتین خطوتین تفسد ، وعند بعضهم لا تفسد کیفما کان ؛ لأن المسجد فی حکم مکان واحد لکن لا أقل من الکراهة ، وإما أن یتم الصلاة فی الموضع الذی رکع فیه فیکون مصلیا خلف الصفوف وحده وإنه مکروه ؛ لقوله علیه الصلاة والسلام (لا صلاة لمنتبذ خلف الصفوف) وأدنی أحوال النفی هو نفی الکمال ، ثم الصلاة منفردا خلف الصف إنما تکره إذا وجد فرجة فی الصف فأما إذا لم یجد فلا تکره ؛ لأن الحال حال العذر وإنها مستثناة ألا تری أنها لو کانت امرأة یجب علیها أن تقوم خلف الصف ؟ (بدائع الصنائع، فصل وأما بیان ما یستحب فیها وما یکره)

۲ قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون.(مجمع الزوائد، باب فیمن أدرک الرکوع)

مطلب یہ ہے کہ رکوع کو پائے، تو رکعت کے پالینے کا اعتبار ہوتا ہے، لیکن اگر رکوع کو پائے اور سجدہ کو نہ پائے تو اس کی وجہ سے رکعت کے پالینے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوالاحوص اور حضرت ھبیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِذَا لَمْ تُدْرِكِ الرُّكُوعَ فَلاَ تَعْتَدُّ بِالسُّجُودِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۲۶۳۱، واللفظ لہٗ، سنن البیھقی، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِی الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۸۲)

ترجمہ: جب آپ رکوع کو نہ پائیں، تو سجدے کا اعتبار نہیں کریں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوالاحوص سے ہی روایت ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يُدْرِكِ الإِمَامَ رَاكِعًا لَمْ يُدْرِكْ تِلْكَ الرَّكْعَةَ (سنن البیھقی الکبریٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِی الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۸۱)

ترجمہ: جس نے امام کو رکوع کی حالت میں نہیں پایا، تو اس نے اس رکعت کو نہیں پایا (ترجمہ ختم)

اور ابنِ منذر نے حضرت ابوالاحوص سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

من أدرك الركوع فقد أدرك (الأوسط لابن المنذر، ذكر الوقت الذی یكون فیه المأموم مدركا للركعة خلف الإمام ثابت عن نبی الله صلی الله علیه وسلم أنه قال: من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدركها، حدیث نمبر ۱۹۹۳)

ترجمہ: جس نے رکوع کو پالیا، اس نے (رکعت کو) پالیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَابْنُ مَسْعُودٍ الْمَسْجِدَ، وَالإِمَامُ رَاكِعٌ، فَرَكَعْنَا، ثُمَّ مَضَيْنَا حَتَّى اسْتَوَيْنَا بِالصَّفِّ، فَلَمَّا فَرَغَ الإِمَامُ قُمْتُ أَقْضِی، فَقَالَ: "قَدْ أَدْرَكْتَهُ." (المعجم الكبير للطبرانی حدیث نمبر ۹۲۴۹، واللفظ لہٗ، الأوسط لابن المنذر، ذكر الوقت الذی یكون فیه المأموم مدركا للركعة خلف الإمام ثابت عن نبی الله ﷺ أنه قال: من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدركها، حدیث نمبر ۱۹۹۴) [۱]

---

[۱] قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، باب فیمن أدرك الركوع)

Idara Ghufran

ترجمہ: میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (نماز کے لئے) مسجد میں داخل ہوئے، اور امام رکوع کی حالت میں تھا، تو ہم نے (نیت باندھ کر) رکوع کیا، پھر ہم آگے صف کے ساتھ برابر ہوگئے، پھر جب امام سلام پھیر کر فارغ ہوا، تو میں رکعت ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا، تو مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے رکعت کو پالیا ہے (لہٰذا اس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں) (ترجمہ ختم)

بعض روایات میں مسجد کے وسط میں پہنچ کر امام کے رکوع میں جانے اور اس کے بعد ان حضرات کے نیت باندھنے کا ذکر ہے، اور خیر القرون کے دَور میں مساجد میں نمازیوں کی کثرت کے باعث گمان یہی ہے کہ مسجد میں صفوں کی تعداد کافی زیادہ ہوگی، اس لیے نیت باندھنے کے بعد صف میں ملنے کے لیے زیادہ چلنا نہیں پایا گیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ :إِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَقَدْ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ

(سنن البیهقی الکبریٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِي الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۸۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ کا رکوع فوت ہوجائے، تو آپ کا سجدہ بھی فوت ہوگیا (ترجمہ ختم)

اس روایت میں مذکور رکعت کے الفاظ سے رکوع مراد ہے، جیسا کہ اگلی روایات میں وضاحت موجود ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب رکوع میں شامل نہ ہوسکے، تو سجدے کے ملنے سے رکعت ملنے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور ایک روایت میں حضرت نافع کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ أَدْرَكَ الإِمَامَ رَاكِعًا ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ الإِمَامُ رَأْسَهُ فَقَدْ أَدْرَكَ تِلْكَ الرَّكْعَةَ (سنن البیهقی الکبریٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِي الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۸۳)

ترجمہ: جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پالیا، اور اس نے (نیت باندھ کر) امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کرلیا، تو اس نے اس رکعت کو پالیا (ترجمہ ختم)

اور امام ابنِ منذر رحمہ اللہ نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

إذا أدركت الإمام راكعا فركعت قبل أن يرفع فقد أدركت ، وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتک (الأوسط لابن المنذر،ذکر الوقت الذی یکون فیه المأموم مدرکا للرکعة خلف الإمام ثابت عن نبی الله صلی الله علیه وسلم أنه قال : من أدرک من الصلاة رکعة فقد أدرکها ، حدیث نمبر ۱۹۹۲)

ترجمہ: جب آپ امام کو رکوع کی حالت میں پالیں، اور آپ (نیت باندھ کر) امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کرلیں، تو آپ نے رکعت کو پالیا، اور اگر امام نے آپ کے رکوع کرنے سے پہلے سر اٹھالیا، تو آپ کی رکعت فوت ہوجائے گی (ترجمہ ختم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ الْمَسْجِدَ فَوَجَدَ النَّاسَ رُكُوعًا فَرَكَعَ ثُمَّ دَبَّ حَتَّى وَصَلَ الصَّفَّ (مؤطا امام مالک،حدیث نمبر ۳۵۶،کتاب النداء للصلاة، باب ما یفعل من جاء والإمام راکع،واللفظ لهٗ، سنن البیهقی حدیث نمبر ۲۶۸۹) [1]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت مسجد میں داخل ہوئے، تو لوگوں کو رکوع کی حالت میں پایا، تو انہوں نے (نیت باندھ کر) رکوع کرلیا، پھر پیروں سے رینگتے ہوئے (آہستگی سے) آگے صف میں پہنچ گئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ روایت پہنچی ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ كَانَا يَقُولَانِ :مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ الإِمَامُ رَأْسَهُ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ (سنن البیهقی الکبریٰ، باب إِدْرَاكِ الإِمَامَ فِي الرُّكُوعِ، حدیث نمبر ۲۶۸۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جس نے امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے رکعت کو پالیا، تو اس نے سجدے کو بھی پالیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] رواہ البیهقی و سندہ صحیح (السلسلة الصحیحة للالبانی، تحت حدیث رقم ۲۲۹)

عَنِ ابُنِ عُمَرَ وَزَيُدِ بُنِ ثَابِتٍ ، قَالاَ :إِنُ وَجَدَهُمُ وَقَدُ رَفَعُوا رُؤُوسَهُمُ مِنَ الرُّكُوعِ كَبَّرَ وَسَجَدَ ، وَلَمُ يَعُتَدَّ بِهَا (مصنف ابنِ ابی شيبة، مَنُ قَالَ إِذَا دَخَلُتَ وَالإِمَامُ سَاجِدٌ فَاسُجُدُ، حديث نمبر ۲۶۱۸)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر نمازیوں کو اس حال میں پایا کہ وہ رکوع سے اپنا سر اٹھا چکے تھے، تو تکبیرِ تحریمہ کہے، اور سجدہ کرے، لیکن اس رکعت کو شمار نہیں کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد تو رکعت کو شمار نہیں کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے پہلے رکعت کو شمار کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر، عطاء وابنِ جریج کی روایت

اور حضرت عطاء سے روایت ہے:

أَنَّهُ سَمِعَ عَبُدَ اللَّهِ بُنَ الزُّبَيُرِ عَلَى الُمِنبَرِ يَقُولُ :إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الُمَسُجِدَ وَالنَّاسُ رُكُوعٌ فَلُيَرُكَعُ حِينَ يَدُخُلُ ثُمَّ يَدِبُّ رَاكِعًا حَتَّى يَدُخُلَ فِي الصَّفِّ فَإِنَّ ذَلِكَ السُّنَّةُ ، قَالَ عَطَاءٌ :وَقَدُ رَأَيُتُهُ يَصُنَعُ ذَلِكَ ، قَالَ ابُنُ جُرَيُجٍ : وَقَدُ رَأَيُتُ عَطَاءً يَصُنَعُ ذَلِكَ (المعجم الاوسط للطبرانی ،حديث نمبر ۷۰۱۶،واللفظ لهٗ، سنن البيهقی حديث نمبر ۵۴۲۳، مستدرک حاكم حديث نمبر ۷۳۴) [۱]

---

[۱] قال الحاكم: "هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه "
وقال الذهبی فی التلخيص: علیٰ شرطهما. (حواله بالا)
وقال الهيثمی:
رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج۲ ص۹۶)
وقال الالبانی:
قال الطبرانی ":لا يروى عن ابن الزبير إلا بهذا الإسناد تفرد به حرملة . "قلت :و هو ثقة من رجال مسلم ، و من فوقه ثقات من رجال الشيخين ، و محمد بن نصر هو ابن حميد الوازع البزار ، و سماه غير الطبرانی أحمد كما ذكر الخطيب (ج 3ترجمته 1411، و ج 5ترجمته 2625) و قال :و كان ثقة .و الحديث قال الهيثمی (2 / 96) ": رواه الطبرانی فی "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے منبر پر تشریف فرما ہونے کی حالت میں یہ سنا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو، اور لوگ رکوع کی حالت میں ہوں، تو اسے داخل ہونے کے بعد (نیت باندھ کر امام کے ساتھ) رکوع کر لینا چاہئے (تاکہ اسے یہ رکعت مل جائے) پھر رکوع ہی کی حالت میں آہستگی سے صف میں داخل ہو جائے، یہ سنت (سے ثابت) ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور حضرت ابنِ جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء کو بھی اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مجاہد سے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مروی ہے۔ [1]

حضرت ابراہیم نخعی کی روایت

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلاَ یَعْتَدُّ بِالسُّجُودِ إِلَّا أَنْ یُدْرِکَ الرُّکُوعَ (مصنف ابنِ ابی شیبة، مَنْ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ وَالإِمَامُ سَاجِدٌ فَاسْجُدْ، روایت نمبر ۲۶۱۹)

ترجمہ: اور سجدے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مگر یہ کہ رکوع کو پالے (ترجمہ ختم)

متعدد جلیل القدر تابعین اور فقہاء کے اقوال

امام ابنِ منذر فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأوسط "و رجاله رجال الصحيح . "قلت :فالسند صحيح إن كان ابن جريج سمعه من عطاء فقد كان مدلسا و قد عنعنه ،و لكن قوله فى آخر الحديث " :و قد رأيت عطاء يصنع ذلك " مما يشعر أنه تلقى ذلك عنه مباشرة ، لأنه يبعد جدا أن يكون سمعه عنه بالواسطة ثم يراه يعمل بما حدث به عنه ، ثم لا يسأله عن الحديث و لا يعلو به .هذا بعيد جدا ، فالصواب أن الإسناد صحيح .و الحديث أخرجه الحاكم (1 / 214) و عنه البيهقى (3 / 106) من طريق سعيدبن الحكم بن أبى مريم أخبرنى عبد الله بن وهب به .و قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين و وافقه الذهبى ، و هو كما قالا(السلسلة الصحيحة للالبانى، تحت حديث رقم ۲۲۹)

[1] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الأَسْوَدِ ، قَالَ :دَخَلْت أَنَا ، وَعَمْرِو بْنُ تَمِيمٍ الْمَسْجِدَ فَرَكَعَ الإِمَامُ ، فَرَكَعْت أَنَا وَهُوَ ، وَمَشَيْنَا رَاكِعَيْنِ حَتَّى دَخَلْنَا الصَّفَّ ، فَلَمَّا قضينا الصلاة ، قَالَ لِي عُمَرُو :اَلَّذِي صَنَعْت آنِفًا مِمَّنْ سَمِعْته ؟ قُلْتُ مِنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :قَدْ رَأَيْت ابْنَ الزُّبَيْرِ ، فَعَلَهُ(مصنف ابن ابی شيبة، حديث نمبر ۲۶۴۶)

قال قتادة ، وحميد ، وأصحاب الحسن :إذا وضع يديه على ركبتيه قبل أن يرفع الإمام رأسه فقد أدرك ، وإن رفع الإمام رأسه قبل أن يضع يديه فإنه لا يعتد بها ، وممن قال إن من أدرك الإمام راكعا فقد أدرك الركعة سعيد بن المسيب ، وميمون بن مهران ، وسفيان الثورى ، والأوزاعى ، والشافعى ، وأحمد ، وإسحاق ، وأبو ثور ، وحكى ذلك عن مالك بن أنس (الأوسط لابن المنذر،ذكر الوقت الذى يكون فيه المأموم مدركا للركعة خلف الإمام ثابت عن نبى الله ﷺ أنه قال : من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدركها ، حديث نمبر ۱۹۹۵)

ترجمہ: حضرت قتادہ، حضرت حمید،اور حضرت حسن بصری کے اصحاب نے فرمایا کہ جب مقتدی اپنے ہاتھ،اپنے گھٹنوں پرامام کے سراٹھانے سے پہلے رکھ لے،تو اس نے رکعت کو پالیا،اور اگرامام اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے سے پہلے اپنا سر اٹھالے،تو اس رکعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور امام کو رکوع کی حالت میں پالینے سے ،رکعت پالینے کا قول حضرت سعید بن مسیّب اور میمون بن مہران اور حضرت سفیان ثوری اور امام اوزاعی، اور امام شافعی، اور امام احمد، اور اسحاق، اور ابوثور کا بھی ہے،اور حضرت امام مالک بن انس سے بھی یہی مروی ہے(ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات اور جلیل القدر تابعین کے آثار سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجانے سے رکعت ملنا معتبر ہوتا ہے،اور اگر امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہوسکے،اور اس کے شامل ہونے سے پہلے امام رکوع سے سر اٹھالے،تو پھر اس رکعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا،اگرچہ مقتدی سجدے میں شامل ہوجائے۔لہٰذا بعض حضرات کا اس کے برعکس موقف اختیار کرنا، اور مذکورہ موقف کو غلط قرار دینے کی کوشش کرنا درست نہیں۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

یکم/رمضان المبارک/۱۴۳۱ھ 12 /اگست/2010ء

ادارہ غفران،راولپنڈی

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب: مولانا محمد ناصر

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

عورتوں کے لیے پردہ کا حکم

(بسلسلہ: سوالات وجوابات)

مؤرخہ ۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ/ ۱۱؍جولائی ۲۰۰۳ء بعد نماز جمعہ کے سوالات اور حضرت مدیر کی طرف سے ان کے جوابات

ان مضامین کو ریکارڈ کرنے، ٹیپ سے نقل کرنے، اور ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے انجام دی ہے، اور اب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی نظرِ ثانی کے بعد انہیں شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں......ادارہ

سوال:......کیا عورت کے لیے پردہ کرنا قرآن سے ثابت ہے، اور عورت کو کس طرح کا پردہ کرنا چاہیے؟

جواب:......بلاشبہ عورت کے لیے پردہ کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے، لیکن جس طرح قرآن مجید میں نماز کا ذکر ہے، لیکن پانچ نمازوں کی تمام رکعتوں کا ذکر نہیں، اسی طرح قرآن مجید میں پردے کا ذکر ہے، لیکن پورے پردے کی تمام تفصیلات کا ذکر نہیں۔

تو جس طرح پانچ نمازوں کی تمام رکعتیں جو کہ فرض ہیں، اور قرآن میں ان کا ذکر نہیں، مگر پھر بھی سارے مسلمان پانچ نمازوں کو اُن کی مقررہ رکعتوں کے ساتھ فرض سمجھتے ہیں، اسی طرح عورت کے لیے پردہ کا اُصولی انداز میں قرآن مجید میں حکم ہے، مگر اس کی بہت سی جزئیات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

کیونکہ قرآن مجید میں عموماً اُصولی طور پر احکامات بیان ہوئے ہیں، اور احادیث میں اُن اصولوں کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، اس اعتبار سے احادیث دراصل قرآن مجید کی شرح ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ قرآن کچھ بیان کررہا ہے، اور حدیث کچھ اور، بلکہ قرآن اصول بیان کررہا ہے، اور احادیث ان اصولوں کی جزئیات بیان کررہی ہیں۔

Idara Ghufran

جیسے ایک درخت ہے، جس کا تنا بھی ہے، اور شاخیں بھی، تو شاخیں بھی تنے کا حصہ ہیں، کوئی کہے کہ ہم شاخوں کو درخت کا حصہ نہیں مانتے، تو اُس کی یہ بات غلط ہے۔

اسی طرح قرآن مجید بھی وحیِ الٰہی ہے، اور احادیث بھی وحیِ الٰہی ہیں، لیکن گمراہ لوگ قرآن کا تو اعتبار کرتے ہیں، اور احادیث کا اعتبار نہیں کرتے۔

لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نماز کے بارے میں یہ اُصول اور ضابطہ مان لیں گے لیکن پردے کے بارے میں نہیں مانیں گے، تو پھر قرآن پر عمل کیسے ہوا؟

پیمانہ ایک ہی ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ جو مسائل اپنی طبیعت کے موافق ہوں، اُن کے لیے الگ معیار ہو، اور جو طبیعت کے خلاف ہوں، اُن کے لیے الگ پیمانہ ہو، جیسا کہ آج کل پردے اور دوسرے مسائل کے معاملے میں الگ پیمانے بنا رکھے ہیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی کہے کہ قرآن سے ہی پردہ ثابت کریں، تو ہم کہیں گے کہ پہلے آپ پانچ وقت کی نمازیں تفصیلات کے ساتھ قرآن سے ثابت کریں، پھر پردے کی تفصیلات کے ثبوت کا سوال پیدا ہوگا۔

مستشرقین کا طرزِ تعلیم

دراصل یہ گمراہی عیسائیوں کی پیدا کردہ ہے، پھر عیسائیوں سے قادیانیوں نے یہ سبق پڑھا کہ شریعت کا جو حکم قرآن سے ثابت ہو، اُسے مانو ورنہ نہیں۔

اسی طرح اب امریکہ، فرانس اور یورپ سے اسلامی مضامین میں پی ایچ ڈی کر کے آنے والوں کو یہودی اور عیسائی جو پی ایچ ڈی کی ڈگری دے رہے ہیں، تو وہ یہی پٹیاں پڑھا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ حدیث معیار نہیں، جو علم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں سے سیکھنے جاتے ہیں، یہ وہ علم ہے کہ مسلمان وہ علم نہیں سیکھ سکے، اور نہ ہی وہ علم ان غیر مسلمانوں کو مسلمان کر سکا۔

مگر پھر بھی کافر ہوتے ہوئے وہ یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو یہ علم پڑھاتے ہیں، اور مسلمان اُن کافروں سے یہ علم پڑھنے جاتے ہیں، پھر کافر ہوتے ہوئے جو علم وہ مسلمانوں کو پڑھا رہے ہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ اس علم کو غلط سمجھ کر پڑھا رہے ہیں، کیونکہ وہ اس علم پر عمل نہیں کرتے، اور پڑھا بھی غلط رہے ہیں، اور اس کی وجہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔

چنانچہ انہوں نے یہ باتیں پڑھائیں اور یہی باتیں آج میڈیا وغیرہ پر عام ہیں کہ ڈاڑھی قرآن سے

ثابت کرو، پردہ قرآن سے ثابت کرو، یہ چیز قرآن سے ثابت نہیں، یہ مولویوں کی باتیں ہیں۔

حالانکہ اگر وہ قرآن، حدیث اور پورا دین ہدایت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے پڑھاتے تو پتہ چلتا کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں، یا دین کی باتیں ہیں۔

انہوں نے پورا دین پڑھایا ہی نہیں، انہوں حدیثیں ایک طرف کر کے صرف قرآن لوگوں کے سامنے کر دیا۔

دراصل یہ قادیانیوں سے چُرائے ہوئے سوالات ہیں کیونکہ قادیانی قرآن کا نام لے کر حدیثوں کا انکار کرتے ہیں، تو یہ سوال ان لوگوں نے قادیانیوں سے چرایا ہوا ہے، اور قادیانیوں نے کافروں سے چرایا ہے۔

پھر ان قادیانیوں سے آج کل کے لوگ متأثر ہو رہے ہیں، اور اس طرح کے سوالات کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے فلاں چیز کا پردہ ثابت کریں؟ خنزیر کا ناپاک اور حرام ہونا قرآن مجید سے ثابت کریں؟

جب خنزیر کا ناپاک اور حرام ہونا قرآن مجید سے ثابت کر دیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس دَور کے خنزیر کا حرام ہونا ثابت کریں، اُس دَور میں تو خنزیر نجاست کھاتے تھے، ناپاک تھے، آج کل تو گھاس، سبزی اور سیب کھاتے ہیں، پاک صاف ہوتے ہیں، آج کل کے خنزیر کا حرام ہونا ثابت کریں۔

ان لوگوں نے قرآن کے نام پر نئے نئے مسئلے گھڑ لیے ہیں۔

آج کل جو مسئلہ ٹی وی اور ریڈیو پر زیادہ اُٹھایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے لیے اس طرح کا پردہ ثابت نہیں۔

عورتوں کے لیے پردے کا اُصولی حکم

حالانکہ قرآن مجید میں عورتوں کو پردے کا اُصولی حکم اس طرح دیا گیا ہے:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ

(سورہ نور، آیت نمبر ۳۱)

یعنی آپ ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔

قرآن مجید کے اس اُصولی حکم میں چہرے کے پردے سمیت پردے کی وہ تمام جزئیات داخل ہیں، جن کا

احادیث میں ذکر ہے؛ کیونکہ زینت اور خوبصورتی جس طرح عورت کی ٹانگ میں ہوتی ہے، اسی طرح چہرے میں بھی ہوتی ہے، بلکہ چہرے میں زیادہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ذکر کردہ اس اصول نے واضح کردیا کہ ہر وہ چیز جسے دیکھ کر انسان کے دل میں میلان پیدا ہو، ہر اُس چیز کا چھپانا ضروری ہے، اور جس چیز میں زیادہ میلان ہو، اُس کا چھپانا زیادہ ضروری ہے، اور کیونکہ سب سے زیادہ کشش انسان کو چہرہ دیکھ کر ہوتی ہے، تو چہرے کا پردہ قرآن کے اس اصول سے ثابت ہوگیا۔

پردے کے طریقے

پھر ایک پردہ عورت کے جسم کا ہے، اور ایک عورت کے لباس کا ہے، اور ایک پردہ عورت کے لباس کے لباس کا ہے۔

ایک پردہ یہ ہے کہ عورت کا نہ برقعہ نظر آئے، نہ لباس نظر آئے، نہ جسم نظر آئے، گھر میں ہی رہے۔

یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ بلاضرورت عورت گھر سے نہ نکلے، بلکہ گھر میں ہی رہے، کوئی نہ عورت دیکھے، نہ عورت کی ذات دیکھے، نہ عورت کا برقعہ نظر آئے نہ چادر نظر آئے، عورت برقعے اور چادر سے نہیں بلکہ چار دیواری کے ذریعے سے پردہ کرے کہ نامحرم مَردوں اور عورتوں کے درمیان دیواریں حائل ہوں۔

پردے کے اس طریقے کو حجاب بالبیوت کہتے ہیں، یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہ کر پردہ کرنا۔

اور ایک پردہ یہ ہے کہ عورت کے زیب وزینت والے لباس پر کسی اجنبی شخص کی نظر نہ پڑے، کیونکہ وہ لباس جو عورت کے جسم کے ساتھ لگا ہوتا ہے، اُس کو بھی اجنبی لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھنا چاہیے، عورت کو اپنے جسم کی طرح اپنے خوبصورت لباس کو بھی اجنبی لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھنا چاہیے۔

اسی خوبصورت اور چمکدار لباس کے پردے کے لیے برقعہ یا بڑی چادر سے پردہ کیا جاتا ہے۔

پردے کے اس طریقے کو حجاب باللباس کہتے ہیں، یعنی عورتوں کا لباس کے ذریعے پردہ کرنا۔

لیکن اب برقعہ بھی چمکدار ہونے لگا ہے؛ برقعہ اس لیے تھا کہ اندر کی چمک دمک چھپ جائے، لیکن آج کل کا برقعہ اندر والی چمک سے زیادہ چمک لے کر آ گیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آج کل عورتیں برقعوں میں ایسی چین اور بیل لگاتی ہیں کہ دیکھنے والے کا دل بے چین ہوجاتا ہے، اُس برقعے میں ملبوس کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ کوئی حور کی بچی ہوگی،

چاہے اندر چُڑیل کی ماں ہی نکلے۔

شریعت نے ایسے برقعے اور پردے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ پردے کے لیے ایسا کپڑا ہونا چاہیے کہ جس میں کشش نہ ہو، چمک دار، بھڑک دار نہ ہو، جبکہ آج کل کے برقعوں میں بیلیں بھی لگی ہوئی ہیں، جھالر بھی لگے ہوئے ہیں، جیسے دولہے پر سہرا باندھا ہو، دُور سے کوئی عجیب قسم کی پری سی لگتی ہے، اندر چاہے چڑیل کی ماں ہی ہو۔

انہیں چمک دار، مزین برقعوں کی وجہ سے لوگوں کو برقعے والی زیادہ اچھی لگتی ہیں، اگر برقعہ چمک دار نہ ہوتو پھر برقعے والی اچھی نہ لگے۔ایسا برقعہ پہننے والی باوجود برقعہ پہننے کے شریعت کی نظر میں بے پردہ ہیں۔

اس لیے اس طرح کا برقعہ پہننا بھی منع ہے۔

بہرحال اگر کسی مجبوری سے عورت کو گھر سے باہر نکلنا پڑ جائے، تو جسم کے مکمل پردے کے ساتھ نکلے، بلاضرورت ہتھیلی بھی بے پردہ نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر ضرورت اور مجبوری ہوتو کلائیوں سے نیچے نیچے ہاتھ کھلے رکھنے کی گنجائش ہے۔

بے پردہ عورتوں کی نحوست

لیکن آج کل کی عورتیں برقعہ پہننا تو درکنار ایسی بے حیا ہو کر پھرتی ہیں کہ آدھے بازو والی آستین اور کھلے گلے والے والا لباس پہنتی ہیں، یا وہ لباس جس کے اندر سے جسم جھلک رہا ہو، ایسی عورتوں کو شریعت پسند نہیں کرتی۔عورتوں کے لیے تو شریعت کا یہاں تک حکم ہے کہ بازاری عورتوں سے بھی گھریلو عورتوں کو پردہ کرانے کا حکم ہے، بہشتی زیور میں مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ عورتوں کو بازاری عورتوں سے پردہ کرنا چاہیے۔

اس لیے وہ عورتیں جو اسی طرح کھلے عام بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں، اُن سے اپنے گھر کی خواتین اور بچیوں کو الگ رکھنا چاہیے، اُن بازاری عورتوں میں بازاروں میں گھوم پھر کر جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں، نحوست کے اثرات پیدا ہوجاتے ہیں، پھر یہ اثرات اور جراثیم اُن عورتوں سے ٹکراتے ہیں، جو اُس گندی اور منحوس فضاء سے دُور تھیں، اس سے اُن حیادار عورتوں کے اعمال خراب ہوتے ہیں، اُن کے اندر رکھی ہوئی برکتیں اور نور ختم ہوجاتا ہے۔

اب خبیث طبیعت کے لوگ ان بازاری عورتوں کو اچھا سمجھتے ہیں، جنہیں شریعت اتنا گندا سمجھتی ہے کہ پاک دامن گھریلو عورتوں کو بھی اُن گندی عورتوں سے پردہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾ ابوجویریہ

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو قرآن مجید میں ’’احسنِ قصص‘‘ کہنے کی وجہ

قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کا تذکرہ بہت سے مقامات پر متفرق انداز میں کیا گیا ہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مکمل تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ہی سورت میں کیا گیا ہے۔

اور اس واقعہ میں جس کو قرآن مجید میں ’’احسنِ قصص‘‘ کہا گیا ہے، اس میں جس قدر عبرتیں، حکمتیں، اور مواعظ ونصائح موجود ہیں، وہ دوسرے کسی واقعہ میں یکجا میسر نہیں۔

درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ اپنے اندر عجیب دلکشی لئے ہوئے ہے، یہ تاریخ ساز واقعہ اپنے تاریخی کرداروں کے ساتھ اس زمانہ کے عروج وزوال کی عظیم یادگار ہے، ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے، بگڑنے، گرنے اور ابھرنے کی ایسی منہ بولتی تصویر ہے، جو کسی تشریح وتوضیح کی محتاج نہیں رہتی۔

یہ بدوی اور خانہ بدوش قبیلہ کے ایک یگانہ روزگار ہستی اور عبقری شخصیت (حضرت یوسف علیہ السلام) کی حیرت انگیز تاریخ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی بدولت اس زمانہ کی بڑی سے بڑی متمدن قوم کی رہنمائی اور ان پر حاکمانہ اقتدار کے لئے چن لیا تھا، اور شرفِ نبوت سے نوازا تھا۔ [۱]

اور اس کو ’’احسنِ قصص‘‘ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس قصہ میں کئی قسم کے نکات ہیں، مثلاً بادشاہوں سے

---

[۱] وقیل :المراد منه :قصة یوسف علیه السلام خاصة، سماها أحسن القصص لِمَا فیها من العِبَر والحِکَم والنُّکَتِ والفوائد التی تصلح للدین والدنیا، من سِیَرِ الملوک والممالیک، والعلماء ، ومکر النساء ، والصبر علی أذی الأعداء ، وحسن التجاوز عنهم بعد الالتقاء ، وغیر ذلک من الفوائد(تفسیر البغوی، تحت سورۃ یوسف)

وقیل :سماها أحسن القَصص لحسن مجاوزة یوسف عن إخوته ، وصبره علی أذاهم ، وعفوه عنهم بعد الالتقاء بهم عن ذکر ما تعاطوه ، وکرمه فی العفو عنهم ، حتی قال :(لاَ تَثْرَیبَ عَلَیْکُمُ الیوم) (یوسف : 92)وقیل :لأن فیها ذکر الأنبیاء والصالحین والملائکة والشیاطین ، والجنّ والإنس والأنعام والطّیر ، وسیر الملوک والممالک ، والتّجار والعلماء والجهّال ، والرجال والنّساء وحِیلهنّ ومکرهنّ ، وفیها ذکر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غلاموں تک برتاؤ، عورتوں کا مکروفریب، دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر، اور قدرت کے وقت معاف کرنا، حاسد اور محسود (جس سے حسد کیا جائے) اور حسد کا انجام، انسان کی دین ودنیا کی خیر، انسان کی اجتماعی، اقتصادی، سیاسی زندگی، بادشاہت وحکمرانی کے اصول وغیرہ وغیرہ۔ [۱]

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ چھبیس مرتبہ آیا ہے، جن میں سے چوبیس جگہ صرف سورہ یوسف میں، اور ایک جگہ سورہ انعام میں، اور ایک جگہ سورہ غافر میں۔

آپ کو یہ فخر واعزاز بھی حاصل ہے، کہ جس طرح آپ کے پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر قرآن مجید کی ایک پوری سورت نازل ہوئی، اسی طرح آپ کے نام پر بھی قرآن مجید کی ایک پوری سورت نازل ہوئی۔ (جاری ہے............)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التّوحيد والفقه والسِّيرَ وتعبير الرؤيا ، والسياسة والمعاشرة وتدبير المعاش ، وجمل الفوائد التى تصلح للدين والدنياوقيل :لأن فيها ذكر الحبيب والمحبوب وسيرهما .وقيل :أَحْسَنَ هنا بمعنى أعجب .وقال بعض أهل المعانى :إنما كانت أحسن القَصَص لأن كل من ذكر فيها كان مآله السعادة؛ انظر إلى يوسف وأبيه وإخوته ، وامرأة العزيز؛ قيل :والملك أيضاً أسلم بيوسف وحسن إسلامه ، ومستعبر الرؤيا الساقى ، والشاهد فيما يقال؛ فما كان أمر الجميع إلا إلى خير (تفسير قرطبى تحت آيت ۳من سورة يوسف)

[۱] قصة يوسف عليه السّلام أحسن القصص، والسبب فى تسمية هذه السورة أحسن القصص من بين سائر الأقاصيص هو ما تضمنته هذه القصة من العبر والحكم، وما اشتملت عليه من التوحيد والفقه والسّير وتعبير الرؤيا، والسياسة والمعاشرة وتدبير المعاش، وجميل الفوائد التى تصلح للدين والدنيا، وذكر الأنبياء والصالحين، والملائكة والشياطين، والجنّ والإنس، والأنعام والطير، وأخبار الملوك والممالك، والتجار والعلماء والجهّال، والرجال والنساء وحيلهن ومكرهن.

فهى قصة جامعة شاملة للدين والدنيا والحياة الاجتماعية والاقتصادية والسياسية والأدبية الملأى بالعبر والعظات، ولعل من أهمها الصبر على الأذى والعفو عند المقدرة(تفسير المنير للزحيلى، تحت آيت ٦ من سورة يوسف)

اضافہ شدہ ایڈیشن بسلسلہ: اصلاحِ معاشرہ

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا شرعی حکم

مَردحضرات کے لئے ٹخنوں سے نیچے تہبند، شلوار، پاجامہ، کرتہ اور پتلون وغیرہ کا کپڑا لٹکانے پر احادیث وروایات میں وارد شدہ سخت وعیدوں اور تنبیہوں کا ذکر، تکبر اور بغیر تکبر کے اور نماز وغیر نماز میں اس عمل کا شرعی جائزہ، نماز پڑھنے کے وقت کپڑا ٹخنوں سے اوپر کھینچ لینے اور موڑ لینے (Fold کرنے) کا شرعی حکم، ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کے مختلف حیلے اور بہانے اور جدّت واباحیت پسندوں کے شبہات، اور ان کے جوابات۔ خواتین کے ٹخنوں سے اوپر شلوار کرنے کی شرعی حیثیت

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

طب وصحت حکیم محمد فیضان

موسمِ برسات میں حفاظتی تدابیر

برسات کا موسم جہاں رم جھم پھوہار اور بارش لے کر آتا ہے، وہیں پر ذرا سی بے احتیاطی سے اس موسم میں کئی بیماریاں بھی ہمیں گھیر لیتی ہیں، ان میں بدہضمی، قے و متلی اور دست آنا، ہیضہ اور بھوک کی کمی ہونا، بخار، پانی کی کمی ہونا، پیچش وغیرہ، شامل ہیں، ان سے بچاؤ کے لئے ہمیں احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم ان خطرناک بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ان میں زیادہ تر بیماریاں جراثیم سے پھیلتی ہیں، ان سے بچنے کے لئے ایک آسان اور سیدھا سادہ طریقہ یہ ہے کہ آپ صابن سے ہاتھ دھوتے رہیں، حقیقت یہ ہے کہ معمولی اور خطرناک ہر طرح کے وائرس سے بچاؤ کے سلسلے میں ہاتھوں کا صابن سے دھوتے رہنا ایک مؤثر ہتھیار ہے، ویسے تو یہ بات سب ہی کے لئے اہم ہے، لیکن بچوں کے لئے ہاتھوں کا صاف رکھنا خصوصیت سے اہم ہے، اور یہ صرف خود بچوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے، بلکہ اس طرح یہ امکان بھی کم ہو جاتا ہے کہ بچوں سے جراثیم گھر کے دیگر افراد تک پہنچیں گے۔

یہ بیماریاں آلودہ غذا، اور پانی سے بھی پھیلتی ہیں، اس لئے ہمیں آلودہ پانی، گلے سڑے اور کٹے ہوئے پھلوں کے استعمال اور تربوز کھیرے وغیرہ سے پرہیز کرنا چاہئے، پینے والے پانی کی صفائی کا خاص خیال رکھیں، پانی کو ابال کر یا فلٹر شدہ پانی ہی استعمال کریں۔

حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق تیار شدہ اور تازہ خوراک استعمال کریں، برسات کے موسم میں اپنی غذا میں سرکہ، پیاز، اور پودینہ کا خصوصی استعمال کریں، مصالحہ دار یا مرغن غذا سے اجتناب کریں، اگر اسہال کی شکایت ہو تو جوس یا سوفٹ ڈرنک (کولا مشروبات) اور دودھ سے پرہیز رکھیں، البتہ شیر خوار بچوں کو ماں کا دودھ دیتے رہنا چاہئے، دستوں کی صورت میں آدھے لیموں کا رس، نمک چینی حسبِ ذائقہ اور ایک چٹکی کھانے والا سوڈا پانی میں گھول کر استعمال کراتے رہنا چاہئے، غذا میں پہلے صرف شوربا، یخنی یا چائے دیں، بعد ازاں ہلکی نرم غذا دیں، جیسے شوربا، چپاتی، کھچڑی، جو کا دلیا وغیرہ استعمال کرائیں۔

برسات کے موسم میں جلد کی بیماریاں داد، کھاج، خارش، اور پھوڑے پھنسیاں بھی خوب پھیلتی ہیں، ان بیماریوں سے بچنے کے لئے بھی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا چاہئے، بارش کے گندے پانی، ندی نالوں میں بغیر ضرورت نہ جائیں، کیونکہ گندے پانی میں گھسنے اور نہانے سے بھی یہ بیماریاں آپ کو گھیر سکتی ہیں۔

Idara Ghufran

اخبارِ ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□......جمعہ ۱۰/ ۱۷/ ۲۴/ شعبان و ۲/ رمضان متعلقہ مساجد میں حسبِ معمول وعظ ومسائل کی نشستیں منعقد ہوئیں۔

□......۵/ ۱۲/ ۱۹/ شعبان اتوار بعد عصر ہفتہ وار مجلسِ ملفوظات منعقد ہوتی رہی (رمضان المبارک میں یہ مجلس موقوف رہے گی)

□......۱۲/ شعبان، اتوار مولانا سعید احمد اعوان صاحب زید مجدہٗ (مع بعض رفقاء) درالافتاء میں تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے تفصیلی مجالست ہوئی، اسی دن مولوی وکیل شاہ صاحب زید مجدہٗ (مدرس جامعہ اسلامیہ، صدر) بھی تشریف لائے، اور حضرت جی سے مفصل نشست رہی۔

□......۲۰/ شعبان، سوموار مولانا عبدالحمید تونسوی صاحب زید مجدہٗ (نواسہ مولانا عبدالستار تونسوی صاحب دامت فیوضہم) اور جناب غلام مصطفیٰ صاحب (چکوال) دارالافتاء میں تشریف لائے، حضرت جی سے مفصل ملاقات رہی۔

□......۲۶/ شعبان اتوار، بعد ظہر ادارہ غفران کا سالانہ شورائی اجلاس منعقد ہوا، جس میں بیرونی ارکانِ شوریٰ، حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب دامت برکاتہم (مہتمم، جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا) اور حضرت مولانا محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث ونائب مہتمم جامعہ امدادیہ، فیصل آباد) تشریف لائے، مقامی جملہ اراکین شوریٰ بھی اجلاس میں شریک تھے، اجلاس میں ادارہ کی سال بھر کی کارگزاری وروئیداد پیش ہوئی، مالیاتی گوشوارے ملاحظہ کئے گئے۔ کارگزاری پر معزز اراکین نے اطمینان کا اظہار فرمایا، کفایت شعاری اور خود کفالتی کے جاری نظام کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا، اور حوصلہ افزائی کی گئی، قبل العصر اجلاس دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، حضرت مدیر صاحب کی معیت میں دونوں معزز مہمان ارکان اسلام آباد کوہسار مسجد تشریف لے گئے، عصر کی نماز میں بڑے حضرت جی حضرت اقدس قبلہ نواب صاحب متعنا اللہ بطول بقائہ سے ملاقات ہوئی، بعدہٗ حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب واپس تشریف لے گئے، حضرت مولانا محمد زاہد صاحب ادارہ تشریف لائے، بعد مغرب ادارہ کا سالانہ یومِ والدین کا جلسہ تھا، حضرت مولانا محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم اس جلسہ کے مقرر اور مہمانِ خصوصی تھے، آپ نے مفصل بیان فرمایا، جس میں والدین کو تعلیم وتربیت کے اہم پہلوؤں اور اس مرحلے کی اہمیت ونزاکت کی طرف متوجہ کیا، جلسہ میں سالانہ امتحان کے نتائج بھی سنائے گئے، اور نمایاں نمبروں سے کامیاب ہونے والے طلبہ وطالبات میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ اس موقع پر راولپنڈی، اسلام آباد کے چند اہلِ علم، اربابِ افتاء بھی مدعو تھے، جلسہ کے بعد عشائیہ ہوا، تمام مہمان حضرات اہلِ علم شریک ہوئے، رات ساڑھے دس بجے کے قریب یہ سلسلہ تکمیل پذیر ہوا، اور تقریب اختتام کو پہنچی۔

اخبارِ عالم

حافظ غلام بلال

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم و مفید حالات و واقعات، حادثات و تغیرات

☜ **21 / جولائی 2010ء بمطابق ۸ شعبان 1431ھ:** پاکستان: کابل کانفرنس، طالبان سے مصالحت کے منصوبے کی توثیق ☜ وزیراعظم گیلانی نے ملا عمر اور اسامہ کی پاکستان میں موجودگی کا امریکی دعویٰ مسترد کر دیا ☜ **22 / جولائی:** پاکستان: طوفانی بارشوں نے تباہی مچادی 30 جاں بحق ☜ **23 / جولائی:** پاکستان: ملک میں بارش، بلوچستان میں 50 افراد ریلے میں بہ گئے، 25 لاشیں برآمد، پنجاب و خیبر پختونخوا میں 21 جاں بحق ☜ **24 / جولائی:** پاکستان: مقبوضہ کشمیر سے سیلابی ریلہ پاکستان میں داخل، 56 ہزار افراد محصور ☜ **25 / جولائی:** پاکستان: آرمی چیف کی ملازمت میں توسیع ☜ خیبر پختونخوا کے وزیر اطلاعات کا بیٹا نوشہرہ میں قتل ☜ **26 / جولائی:** پاکستان: آزاد کشمیر کے 17 وزراء اور ایک مشیر عہدوں سے مستعفی ☜ **27 / جولائی:** پاکستان: وزیر اطلاعات خیبر پختونخواہ کے گھر پر خودکش حملہ 8 افراد جاں بحق ☜ **28 / جولائی:** پاکستان: ہفتہ وار 2 چھٹیوں اور توانائی بچت اقدام میں 31 اکتوبر تک توسیع ☜ **29 / جولائی:** پاکستان: اسلام آباد نجی کمپنی کا مسافر طیارہ گر کر تباہ، 152 افراد جاں بحق ☜ **30 / جولائی:** پاکستان: سردار عتیق آزاد کشمیر کے دسویں وزیر اعظم منتخب، عہدے کا حلف اٹھالیا ☜ **31 / جولائی:** پاکستان: پختونخوا میں اموات 500 سے متجاوز، بالائی علاقوں میں ہزاروں افراد محصور ☜ **یکم / اگست:** پاکستان: سیلاب میں 800 ہلاکتوں کی تصدیق ☜ **2 / اگست:** پاکستان: پنجاب کے سیلاب سے متاثرہ علاقے آفت زدہ قرار، تمام ٹیکس معاف، نقصانات کے ازالے کا اعلان ☜ **3 / اگست:** پاکستان: کراچی: رکن سندھ اسمبلی کے قتل کے بعد فائرنگ، 33 جاں بحق 100 سے زائد زخمی، درجنوں گاڑیاں، دکانیں، پٹرول پمپس نذر آتش ☜ **4 / اگست:** پاکستان: سیلاب سے مزید سینکڑوں دیہات زیر آب ☜ **5 / اگست:** پاکستان: پشاور: خودکش حملے میں کمانڈنٹ ایف سی جاں بحق ☜ **6 / اگست:** پاکستان: ورلڈ بینک کی متاثرین سیلاب کیلئے 8 کروڑ ڈالر امداد، ملٹی ڈونرز فنڈ بھی قائم، ہالینڈ کی 10 لاکھ یورو امداد کا اعلان، سعودیہ کا کھجور کا عطیہ ☜ **7 / اگست:** پاکستان: سیلابی علاقوں میں بارش سے تباہی، سینکڑوں دیہات پانی میں ڈوب گئے، 3 افراد جاں بحق متعدد افراد زخمی، بڑا سیلابی ریلہ گھوٹکی میں داخل، 30 ہزار افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا گیا ☜ **8 / اگست:** پاکستان: حکمران اتحاد میں ضابطہ اخلاق طے، کراچی میں ایف سی طلب، مزید 5 قتل ☜ **9 / اگست:** پاکستان: اندرون سندھ جنوبی پنجاب، کئی بند ٹوٹ گئے، بڑے پیمانے پر تباہی ☜ **10 / اگست:** پاکستان: اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، حکمران اور عوام توبہ و استغفار کریں، علماء کرام ☜ **11 / اگست:** پاکستان: امریکہ شدید مالی بحران سے

دوچار،ایک فوجی کمانڈ ختم،دفاعی بجٹ میں کمی کا اعلان ﷺ **12 / اگست:** پاکستان: ڈیڑھ کروڑ افراد متاثر 3 لاکھ مکانات تباہ، عالمی برادری فوری طور پر 459 ملین ڈالرز امداد فراہم کرے،اقوام متحدہ ﷺ **13 / اگست:** پاکستان: ایک اور سیلاب کا خطرہ، پنجاب سندھ کے زیریں علاقوں کو وارننگ ﷺ **14 / اگست:** پاکستان: لاڑکانہ: کشتی الٹنے سے 30 متاثرین جاں بحق،جیکب آباد خطرے میں ﷺ **15 / اگست:** تعطیل اخبارات ﷺ **16 / اگست:** پاکستان: سندھ کے کئی شہر ڈوبنے کا خطرہ،سینکڑوں مزید دیہات زیرِ آب ﷺ سیلاب نے 63 سال کے معاشی ڈھانچے کو گھڑی بھر میں تباہ کردیا ﷺ **17 / اگست:** پاکستان: جعفرآباد ڈوب گیا،12 افراد سیلابی ریلے کی نذر، لاکھوں محصور، خیبر پختونخواہ میں خوراک نہ ملنے سے 4 بچے جاں بحق۔

اضافہ واصلاح شُدہ تیسرا ایڈیشن

مَردوعورت کی نماز میں فرق کا ثبوت

کیا مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں؟ اور دونوں کی نماز کا طریقہ ایک جیسا ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث وروایات، صحابہ وتابعین کے آثار کیا کہتے ہیں؟ اور محدثین وفقہائے کرام نیز اہل السنۃ والجماعۃ اس سلسلہ میں کیا ارشاد فرماتے اور کیا موقف رکھتے ہیں؟ اس سلسلہ میں وارِد ہونے والی احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ کیا مرد اور عورت کی نماز کے ایک جیسا ہونے اور دونوں کی نماز میں کوئی فرق نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود ہے؟ اگر خواتین وحضرات ان سب باتوں کے مفصَّل ومدلَّل جوابات معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو خالی الذہن ہوکر نیک نیتی اور یکسوئی کے ساتھ منصِفانہ اور مخلصانہ طریقہ پر اس مکمل رسالہ کا مطالعہ فرمائیں۔

اضافہ شدہ ایڈیشن بسلسلہ: اصلاحِ معاشرہ

حضور ﷺ کا خواتین کو اہم خطاب

حضور ﷺ کا وہ اہم خطاب جو آپ ﷺ نے خواتین کے جہنَّم میں کثرت سے جانے کے متعلق فرمایا۔اس خطاب میں خواتین کو فرمائی گئی اہم نصائح وہدایات کی تشریح وتفصیل۔خواتین کے کثرت سے جہنم میں جانے کے اسباب ووجوہات۔خواتین کو جہنم سے بچانے والے اعمال کی توضیح

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

Idara Ghufran